

اطاعت رسول ﷺ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ، إِلَّا مَنْ أَبِي» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ أَبِي؟ قَالَ: «مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبِي» [بخاری: ۷۲۸۰]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان کے جنہوں نے انکار کیا۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! انکار کون کرے گا؟ فرمایا: جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا اس نے انکار کیا۔

ان فی ذلك لعبرة الاولى الابصار

۲۹ دسمبر ۲۰۰۶ء ہفتہ کے روز سابق عراقی صدر اور حال..... امریکا مخالف..... عراقی قیدی صدام حسین کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ صدام کیا تھا؟ کیا تھا؟ یہ سوالات اب تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں۔ ان کے جوابات جیسے اب متنازعہ ہیں ویسے ہی متنازعہ رہیں گے۔ لیکن فیض مرحوم کے اس شعر۔ جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے یہ جان تو آتی جانی ہے اس جان کی تو کوئی بات نہیں کا مصداق کبھی کوئی ہوا ہو گا یا شاید کبھی کوئی انسان ہو جائے لیکن دور حاضر میں اس قدر جو صلے، دلیری اور جرأت کے ساتھ پھندا گلے میں ڈالنا ع تانہ بخشد خدائے بخشندہ

شریعت کا ہمیں حکم ہے اذکروا موتاکم بالخیر پھر اخباری رپورٹوں کے مطابق آخر میں صدام کو کلمہ شہادت بھی نصیب ہو گیا۔ یہ نصیب کی بات ہے اس لیے ہم اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ہی بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں۔ لہذا ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرمادے، آمین۔

گزشتہ صدی کی آٹھویں دہائی کے آخری سالوں تک اپنے ذہن و حافظہ کو لے جایا جائے تو ایک بڑی اندوہناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام جیسے سراپا امن و سلامتی والے دین کے پیروکار ایک تسلسل کے ساتھ آزمائشوں میں مبتلا ہیں۔ افغانستان پر سرخ رچھ کی یورش، ایران عراق جنگ، شکست روس..... کے نتیجے میں قائم ہونے والی طالبان حکومت..... کے بعد نہتے افغانوں پر امریکی حملہ و مداخلت جس میں اس نے شمالی اتحاد اور طالبان میں باہمی چپقلش اس حد تک بڑھادی کہ خانہ جنگی جیسی صورت حال پیدا ہو گئی پھر سوڈان پر حملہ، کویت عراق جنگ اور آخر میں عراق پر امریکی بربریت اور ساتھ ہی ساتھ اس کی فرقہ واریت یعنی شیعہ سنی اختلافات کا بیج بونے کی کوشش..... عراق میں اس نے قبائلی..... کر دیا وغیرہ..... نفرت اور باہمی عداوت کی خطرناک حد تک آب یاری کی۔ صدام حسین کو ایک عراقی مسلمان حج کے قلم سے موت کا پروانہ دلایا اور عراق میں امریکی کٹھ پتلی مسلمان حکمرانوں کے ذریعہ اس کو تختہ دار تک پہنچوایا۔ اور اس کے بغض مسلم کی انتہا یہ دیکھنے کہ اس نے سزائے موت پر عمل درآمد کے لیے وہ دن چننا جس دن خطہ عرب میں عید الاضحیٰ کی تیاری ہو رہی تھی اور مسلمانوں نے سنت ابراہیمی کی یاد میں خون بہانا تھا۔ اس نے صدام حسین کا خون اس دن صرف اس لیے بہایا کہ وہ ایک مسلمان تھا اور فی الوقت وہ امریکا کا ایک ایسا مسلمان مجرم تھا جس نے تلافی مافات کرتے ہوئے دین سے تعلق بھی استوار کر لیا تھا اور صلیبی امریکا کے سامنے جھکا نہیں بلکہ پورے تہور کے ساتھ ڈٹ گیا اور مردانہ وار موت قبول کی۔

خریطہ عالم پر جب سے امریکا نے پر پرزے اور برگ و بار نکالنے شروع کیے، خصوصاً ترقی پذیر ممالک اسلامیہ اور ان کے سربراہوں پر ”عنایات“ شروع کی ہیں تب سے جو سربراہ بھی اس کے بھرے میں آ گیا اس نے اس کو اپنے مفادات کے مطابق ممکن حد تک استعمال کیا اور پھر ٹشو پیپر کی طرح اس کو پھینک یعنی مٹا کر ہی دم لیا۔ خصوصاً جن کی اسلامی حمیت نے انکو اتنی لی یا جنھوں نے شیوہ تسلیم و رضا سے ابا کر دیا اس کو اس نے زندہ نہیں چھوڑا۔ مسلمان ممالک اور سربراہوں کی گزشتہ نصف صدی کی تاریخ پر غور کریں تو بعض مسلمان سربراہ مقتول نظر آئیں گے کچھ مصلوب اور کچھ معتبور۔ حیرانگی ان حکمرانوں پر ہوتی ہے جو تاریخ کے سچ اور حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے پھر بھی اس کی عشوہ طرازیوں پر ریمجھ کر اس کی زلف گرہ گیر کے اس طرح اسیر ہو جاتے ہیں کہ وہ اس نازنین کے پہلے عشاق کا انجام بھول جاتے ہیں۔

یاد رکھئے کفر کے نزدیک ہر کلمہ کو مسلمان ہے کوئی شیعہ نہیں، کوئی سنی نہیں اور نہ اس کے نزدیک کوئی لادین ہے اس کو یہ خطرہ نہیں، یقین ہے کہ کیا گزرا کوئی مسلمان کسی بھی وقت توپ کی توفیق اور انابت کی نعمت سے سرفراز ہو سکتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو باہمی شیعہ، سنی، حنفی، شافعی، لادین، سوشلسٹ، کمیونسٹ کے دائرے بنا کر آپس میں لڑاتا اور بھڑاتا رہتا ہے لیکن جب اس کا مقصد پورا ہو جائے تو پھر موت کے گھاٹ اتارتے وقت وہ بھٹو کو بھی ایسا ہی مسلمان سمجھتا ہے جیسا ضیاء الحق کو اور شاہ فیصل کو بھی وہ ویسا ہی مسلمان جانتا ہے جیسا صدام حسین کو۔ کاش! کہ اس کے آلکار بسنے والے اس کو جان لیں اور اس حقیقت کو پہچان لیں کہ امریکا مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر بیچ جانے والے کو بھی نہیں چھوڑتا۔ دور حاضر میں صدام کی موت سے بڑی گواہی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان فی ذلك لعبرة الاولى الابصار

فہرست

1	اطاعت رسول ﷺ	جواہر پارے
2	ان فی ذلک لعبرة لاولی الابصار (حافظ احمد شاکر)	مقالہ خصوصی
5	ایں دعا از من..... (حافظ احمد شاکر)	اداریہ
7	حضرت عبداللہ ابن عباسؓ (پروفیسر حماد الرحمن میر)	تفسیر و مفسرین
12	المصنف لابن ابی شیبہ میں تحریف (ابوالہد رمولانا ارشاد الحق اثری)	تحقیق و تنقید
26	قبروں کو پختہ بنانے..... (حافظ محمد شہباز)	عقائد و اعمال
35	حمدیہ رباعیات (عبدالعزیز خالد)	شعر و ادب

موت سے فرار ممکن نہیں

﴿قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلْقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلِّمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

”کہہ دیجیے! حقیقت یہ ہے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ خود تمہیں پا کر رہے گی، پھر تم غیب اور حاضر کو جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے تو وہ تمہیں اُس کی خبر دے گا جو تم کیا کرتے

تھے۔“ [الجمعة: ۸/۶۲]

گناہ سے نفرت

عُرس بن عمیرہ آنحضرت ﷺ سے راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب کسی جگہ نافرمانی کا ارتکاب ہو رہا ہو تو وہاں موجود شخص اگر اُس سے نفرت..... یا اُس کا انکار..... کرتا ہے تو وہ ایسے ہے جیسے وہاں موجود ہی نہیں، اور اگر کوئی شخص وہاں سے غیر حاضر ہونے کے باوجود اس گناہ سے خوش ہے تو گویا وہ وہاں موجود (اور اس میں شامل) ہے۔“

[سنن ابی داؤد، رقم: ۴۳۴۵]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نماز پڑھ رہی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے، آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا، فرمایا: ”عائشہ! مختصر اور جامع دعاؤں کا اہتمام کیا کرو۔“ میں نماز مکمل کر کے حاضر ہوئی اور عرض کی: مختصر اور جامع دعا کون سی ہے؟ فرمایا: تم یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ، وَاعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهٖ وَآجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ، وَاسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ، وَاعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ، وَاسْأَلُكَ مِمَّا سَأَلَكَ بِهِ مُحَمَّدٌ، وَاعُوْذُ بِكَ مِمَّا تَعُوْذُ مِنْهُ مُحَمَّدٌ، وَمَا قَضَيْتَ لِيْ مِنْ قَضَاءٍ فَاَجْعَلْ عَاقِبَتَهُ رَشَدًا۔

”الہی! میں تجھ سے ہر قسم کی خیر مانگتی (مانگتا) ہوں، فوری بھی اور ٹھہر کر بھی، جو جانتی (جانتا) ہوں اور جو نہیں جانتی (جانتا)، اور ہر شر سے تیری پناہ چاہتی (چاہتا) ہوں، ابھی اور بعد میں بھی، جس کا مجھے علم ہے اور جس کا مجھے علم نہیں۔ اور میں تجھ سے جنت کا سوال کرتی (کرتا) ہوں نیز ہر اُس قول و عمل کا جو جنت کے قریب کر دے۔ اور میں نارِ جہنم سے تیری پناہ میں آتی (آتا) ہوں، نیز ہر اُس قول و عمل سے جو اُس کے قریب لے جائے۔ میں تجھ سے وہی مانگتی (مانگتا) ہوں جو تجھ سے محمد ﷺ نے مانگا، اور جس سے محمد ﷺ نے پناہ مانگی میں بھی اُس سے تیری پناہ مانگتی (مانگتا) ہوں۔ تو میرے لیے جو بھی فیصلہ فرمائے اُس کا انجام اچھا کرنا۔“ [الادب المفرد للامام البخاری، رقم: ۶۵۴]

12 تا 18 جنوری 2007ء..... (4)..... 21 ذوالحجہ 1427ھ

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ خَلِيفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ [التوبة: ۱۲۲]

”تو ہر فرقے سے کچھ لوگ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کیوں نہ نکلے اور تاکہ واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید کہ وہ بچ جائیں۔“

سورہ توبہ کی اس آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایک ایسے گروہ کا ذکر فرمایا ہے جو دین میں سمجھ حاصل کرے اور اپنی قوم کو ڈرائے۔ وہ گروہ امت میں مختلف شکلوں میں ہمیشہ موجود رہا۔ دین کی سمجھ حاصل کرنے سے مراد علم دین کا حصول ہے۔ علم دین حاصل کرنے کے بعد اس کی تبلیغ کرنا اور اپنی قوم کو اندازہ..... آخرت کے عذاب سے ڈرانا..... ان حاملین علم کی ذمہ داری ہو جاتی ہے جو مسلمانوں کے تعاون سے چلنے والے مدارس میں تعلیم پاتے ہیں۔ خدمت دین کی عموماً دو تین صورتیں معروف و مروج ہیں:

①..... **تدریس و تعلیم**: یہی صورت عموماً مروج، معروف اور مقبول ہے۔ مدارس کا قیام، طلباء کی تعلیم اور اُن کے لیے قیام و طعام کی ذمہ داری۔ کوئی شک نہیں کہ یہ صورت سب سے اہم، مفید تر اور بنیادی ہے، جس سے مکمل مقصود..... عالم و فاضل طلباء..... تو بہت کم حاصل ہوتا ہے جس کا گلہ بھی اکثر کیا جاتا ہے۔ تاہم اس کا یہ فائدہ ضرور حاصل ہو جاتا ہے کہ جو طلباء دو، چار سال کے بعد تعلیم ادھوری چھوڑ کر فکر معاش میں جت جاتے ہیں انھیں عقائد و اعمال..... توحید و شرک، طہارت و نجاست، حلال و حرام، فرائض و سنن، حقوق اللہ اور حقوق العباد..... کی اصلاح کا موقع مل جاتا ہے اور ان کی نزاکتوں کا ادراک و احساس ہو جاتا ہے اور یہی تعلیم پھر ان کی اصلاح کا باعث بن جاتی ہے گلہ گزاروں کی اکثریت افادیت کے اس پہلو سے بے خبر ہوتی ہے جب کہ یہ بھی ان کے لیے صدقہ جاریہ ہوتے ہیں۔ باقی رہے وہ علماء و فضلاء، جو دین کی خدمت میں زندگی تیاگ دیتے ہیں۔ یہی لوگ ورثۃ الانبیاء کا مصداق ہوتے ہیں۔

②..... **تبلیغ و انداز**: یہ شعبہ وعظ، درس، خطبات اور تقریروں کا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ اس سے مستفید و مستنیر ہوتے ہیں اور واقعہً خطبات، تقاریر اور دروس سن کر بعض خوش نصیب انسانوں کی ایسی کاپلٹ جاتی ہے کہ وہ ہزاروں لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا سبب بن جاتے ہیں۔

③..... **تصنیف و تالیف**: یہ وہ شعبہ ہے جس سے مذکورہ بالا دونوں..... علماء و مبلغین..... حضرات مستفید ہوتے ہیں اور یہی تصانیف و تالیفات ان کے لیے زادِ راہ ہوتی ہیں۔ مسلمانوں نے اس ذریعہ سے اپنے دین کی..... خصوصی طور پر ہدایت کے تینوں سرچشموں: قرآن، حدیث اور سیرت نبویہ ﷺ کی..... اس قدر خدمت کی ہے جس کی مثال کوئی دوسرا دین نہیں دے سکتا کہ ہر دور کے مسلمانوں نے اپنے علمی ماحول، زمانے کے تغیرات اور معاشرتی ضروریات کے مطابق قرآن و حدیث اور سیرت کی خدمت کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کی کوشش کی ہے۔

مذکورہ تینوں صورتوں کے علاوہ ایک شعبہ اور بھی ہے جو بظاہر تو نا معروف اور غیر مروج ہے مگر اپنی افادیت و تاثیر کے حوالہ سے غالباً سب سے بڑھ کر ہے، اور وہ ہے مذکورہ بالا تینوں شعبہ ہائے خدماتِ دینیہ کو استفادے کے لیے

علمی مواد اور کتب مہیا کرنا۔ اس شعبے کو بسا اوقات حکومتوں کی سرپرستی بھی حاصل رہی بلکہ حکومت اسے یکے از کارہائے حکومت جانتے ہوئے اس طرف توجہ کرتی اور افادہ عام کے لیے لائبریریاں قائم کرتی رہی اور کرتی ہے۔ بعض حکمران علم دوست بھی گزرے ہیں جنہوں نے ذاتی دلچسپی سے علم و علماء کی خدمت کو شعرا بنایا بڑی بڑی لائبریریاں بنائیں اور علماء کی معقول خدمت و کفالت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ بعض ذی علم صاحب حیثیت افراد نے ذاتی لائبریریاں بنا کر طلبائے علم کے لیے وقف بھی فرمائیں جن کی ہر ملک میں روشن مثالیں ہیں۔

لائبریری ہر تعلیمی ادارے کا لازمہ ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض سرکاری تعلیمی اداروں نے وقیع لائبریریوں کا اہتمام کیا جن سے حکومتیں بھرپور مالی تعاون بھی کرتیں اور اہل علم کے علمی ترکوں سے ان میں معتد بہ اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے ان سے استفادہ بھی جاری رہتا ہے اور ان کا نام بھی روشن ہوتا ہے۔ دارالدعوة السلفیہ کی لائبریری کہ جس کا نام دارالدعوة کی مجلس عاملہ کے فیصلے کے مطابق اب ”محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری“ رکھ دیا گیا ہے۔ اس لائبریری کا پس منظر یہ ہے کہ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے عمر بھر اپنی ذاتی ضرورت اور ذوق..... قرآن و علوم قرآن، حدیث و علوم حدیث، فقہ، لغت، علم اسماء الرجال وغیرہ کے موضوعات پر..... کے مطابق کتابیں خریدتے رہے، اور شروع دن ہی سے انھوں نے کتابوں کو وقف کرنے کی نیت کر لی تھی، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نگوینی امور سے ایسے اسباب پیدا فرمادیے اور ایسے رفقاء و احباب مہیا کر دیے کہ ۱۹۸۰ء میں ان کی یہ آرزو برآئی اور اس طرح وجود میں آئی کہ ایک صد کے قریب اہل حدیث علماء و زعماء، محققین اور اہل علم کے اجلاس میں انھوں نے عمر بھر کا اپنا اندوختہ جماعت اہل حدیث کے نام وقف کرنے کا اعلان کر دیا، جس کے لیے ایک باقاعدہ رجسٹر باڈی یعنی مجلس عاملہ تشکیل کر کے اس کا اعلان بھی کر دیا اور اس کی صدارت کی کلاہ افتخار اپنے قابل اعتماد اور فاضل شاگرد مولانا فضل الرحمن الازہری رحمہ اللہ کے سر پر رکھ دی۔ کیوں کہ کچھ عرصہ قبل ہی مولانا ازہری موصوف نے مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ سے صحیحین کی تکمیل کی تھی، اور حق یہ ہے کہ مولانا فضل الرحمن الازہری اپنے استاذ کے اعتماد پر پورا اترے اور اس کو یوں نبھایا جیسے نبھانے کا حق تھا۔ ادارے کی ترقی، تعمیر اور استحکام کے لیے جو وہ کر سکتے تھے انھوں نے کبھی دریغ نہ کیا۔ دارالدعوة اوفت روزہ ”الاعتصام“ کے کارکنان کی انھوں نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی، انہی کی توجہ، دلچسپی اور حوصلہ افزائی سے دارالدعوة کی مطبوعات بھی طبع ہوئیں۔ الاعتصام اپنے بحرانوں میں بھی سرخرو ہوا اور حضرت گوندلوی رحمہ اللہ اور مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ پر خصوصی اشاعتیں بھی شائع ہوئیں نیز انہی کی نگرانی اور تعاون سے الاعتصام کی خصوصی اشاعت بیاد مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ ظہور پذیر ہوئی اور اس کی پروقا رتعارفی تقریب منعقد ہوئی جس کی کارروائی اور اس کا حسن انعقاد مدتوں حاضرین کو یاد رہے گا۔

اسی طرح دارالدعوة کی لائبریری میں کتب کی بڑھتی ہوئی تعداد کے باعث جب لائبریری ہال تنگی داماں کا شکوہ کرنے لگا تو مولانا رحمہ اللہ ہی کے توسط سے ان کے قریبی دوست میاں محمد اسلم مرحوم نے اپنے ادارے حمزہ فاؤنڈیشن کے ذریعہ دوسری منزل پر ایک بڑا ہال تعمیر کرایا اور اس ہال کو لائبریری کے فرنیچر سے آراستہ بھی کیا، جزاھم اللہ تعالیٰ عنا وعن جمیع المسلمین۔ دارالدعوة السلفیہ کے لیے ان کی بے پایاں خدمات میں سے ان کی یہ اہم خدمت برسیل تذکرہ نوک قلم پر آگئی ورنہ دارالدعوة السلفیہ کے لیے ان کی مختلف النوع خدمات کا دائرہ ربع صدی پر پھیلا ہوا ہے۔

سال گزشتہ سے دارالدعوة السلفیہ مولانا کی کبرسنی، صحت اور علمی مصروفیات کے باعث ان کی سرپرستی سے محروم ہو گیا، اگرچہ دارالدعوة کے محترم ارکان اور عہدے داران کی خدمات میں ایک سے زیادہ مرتبہ حاضر بھی ہوئے لیکن مولانا رحمہ اللہ اپنی رائے تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

ہفت روزہ الاعتصام اور دارالدعوة السلفیہ کی تاریخ ان کی بے لوث اور بے پایاں خدمات کے تذکرے کے بغیر ادھوری ہے اور رہے گی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرما کر ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، ان کو صحت کاملہ سے نوازے، مزید حسنات کی توفیق سے بہرہ ور رکھے، اور زندگی بھر ان کو کسی انسان کا محتاج نہ بنائے۔ نیز اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کے پوتے حافظ بشیر الرحمن کو ان کا علمی و دینی جانشین بنائے جس کی تعلیم و تربیت پر مولانا رحمہ اللہ بھرپور توجہ دے رہے ہیں، آمین الحق آمین۔ ع ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

ترجمان القرآن مفسر الفرقان

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

پروفیسر حماد الرحمن میر (منصورہ ڈگری کالج، لاہور)

حسین اور وجیہ تھے کہ لوگ چودھویں کے چاند کو دیکھ کر آپ کو یاد کرتے تھے۔

بچپن اور کاشانہ نبوت

مکہ مکرمہ میں آپ کی پرورش اسلامی ماحول میں ہوئی آپ کی والدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکی تھیں۔ پھر ہجرت کے بعد تو آپ کو صحبت نبوی سے فیض یاب ہونے کے کثیر مواقع میسر آئے۔ بالخصوص آپ کی سگی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے کاشانہ نبوت کے اندر معمولات اور حضور کی نجی صحبتوں سے جس طرح آپ فیض یاب ہوئے کسی دوسرے صحابی کو اس طرح کے اتنے مواقع میسر نہ آ سکے۔

دعائے نبوی ﷺ اور فیضان

آپ کی فیض طلب اور جستجوئے علم سے لبریز طبیعت کو جب حضور ﷺ کی نجی زندگی اور گھریلو زندگی دیکھنے کا موقع ملا تو آپ نے اپنی متواضع و مؤدب شخصیت کے سبب جلد ہی حضور ﷺ کا خصوصی قرب حاصل کر لیا۔ انھیں مزاج شناسی کا اللہ تعالیٰ نے خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا جس کے سبب آپ حضور ﷺ کے معمولات و طبع مبارک کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت فرماتے رہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن رحمت عالم ﷺ حضرت میمونہ کے ہاں رات قیام فرما تھے میں نے رات کو حضور ﷺ کے وضو کے

ترجمان القرآن مفسر ذی شان ابوالعباس عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بن عبدالمطلب الہاشمی ہجرت سے تین برس پیشتر اس وقت پیدا ہوئے جب حضور ﷺ کفار کے مقاطعہ کے سبب شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ ایسے سخت وقت میں اُن کی ولادت باسعادت سے مسلمانوں میں مسرت کی ایک لہر دو گئی۔

آپ رضی اللہ عنہ کے والد نے انھیں حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے انھیں اپنے دہن مبارک سے چبائی ہوئی کھجور سے گھٹی دی۔ گویا اس دنیا میں آپ کی پہلی خوراک حضور ﷺ کا لعاب اور آپ ﷺ کی پس خوردہ کھجور تھی۔ ایسے بچے کا علم و فضل اور سعادت مندی بے مثال و اعلیٰ کیوں کر نہ ہو جسے دہن نبوت سے یہ گوہر گراں مایہ میسر آ گیا۔ گویا یہ اس امر کا اشارہ تھا کہ اس بچے کو امام المفسرین بنا کر اس مستفیض رحمت العالمین کا فیض علم جہاں بھر میں پھیلے گا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق اللہ کے نبی نے سوائے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کسی اور بچے کو گھٹی نہیں دی۔

[البدایہ والنہایہ، ج: ۴]

حسب و نسب کے اعتبار سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھانجے تھے۔ اس حوالے سے حضور ﷺ آپ کے خالو بھی تھے۔ اس طرح سے آپ کی کاشانہ نبوت تک براہ راست رسائی تھی۔

حلیہ مبارکہ

روشن چہرہ، گندی رنگ، لمبا قد، گھنے لمبے بال، آپ اتنے

لیے پانی رکھا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس (عبداللہ بن عباس) نے آپ کے لیے یہ برتن رکھا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دیتے ہوئے فرمایا:

”اللهم فقهه في الدين - وعلمه التأويل“ [مسند

احمد الامام احمد بن حنبل، ج: ۱، رقم: ۳۲۸]

”اے اللہ! اس اس بچے کو دین کی گہری سمجھ اور قرآن کا پختہ علم عطا فرما۔“

دیگر روایات کے الفاظ اس طرح سے ہیں:

”اللهم فقهه في الدين“ [البخاری: ۱۴۳- الوضوء-

مسلم: ۱۳۸/۲۴۷۷- الفضائل]

”اللهم علمه الحكمة“ [البخاری: ۴۷۵۶]

”اے اللہ! اسے دین کی حکمت سے مالا مال فرما۔“

طلب علم کا جذبہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خلفائے راشدین بالخصوص حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما سے خصوصی استفادہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو خود آپ سے تشریحات قرآنی سن کر استفادہ کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تفسیری نہج کو اگر کسی نے صحیح معنوں میں جذب کیا ہے تو وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس طرح ابی بن کعب کہ جنہیں لسان نبوت نے ”اقرأ القرآن“ سب سے بڑا قاری قرار دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ خلوت جلوت میں ان کے حاضری دینے اور غوامض قرآنی سے فیض یاب ہوتے۔ آپ کی جستجو علم ان اکابر صحابہ سے مستفیض ہونے کی حد تک ہی نہ تھی بلکہ آپ کو جہاں بھی پتا چلتا کہ فلاں جگہ کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی موجود ہے تو یہ ان کے پاس علم کی نیت سے پہنچ جاتے۔ یہ ہے وہ شان تو اضع جو انسان کو بلند یوں تک پہنچا دیتی ہے۔ آپ نے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلحاظ عمر اصغر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شاید ہی کوئی

ایسا ہوگا کہ جن سے آپ نے استفادہ علمی نہ کیا ہو۔ یہی سبب تھا کہ آپ دین کے ترجمان و شارح بن گئے۔ اطراف و اکناف میں پیر و جوان اور اہل علم آپ کے ارشادات کو سند سمجھنے لگے۔

علم و ذکاوت اور قرآن فہمی

ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس طالبان دین کا جھم گنگا لگا رہتا تھا۔ ان کے سامنے آپ تفسیر قرآن، احادیث نبویہ اور فقہی مسائل بیان فرماتے تھے۔

آپ اعلیٰ درجے کے خطیب تھے۔ قرآنی علوم و معارف پر بات کرتے تو طبیعتوں میں نشاط پیدا ہو جاتا۔ آپ کی اثر انگیزی ایسی تھی کہ ”جب آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں امیر حج مقرر ہوئے تو وہاں آپ نے سورۃ بقرہ کی تلاوت فرمائی اور پھر اس کی اس دلنشین پیرائے میں تفسیر بیان کی کہ اگر اسے سرکش کفار بھی سن لیتے تو شاید یہ ایمان لے ہی آتے۔“ [تفسیر ابن کثیر، جلد اول]

مستدرک میں روایت ہے کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جی بن یعلیٰ اور سعید بن جبیر تینوں اکٹھے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتے تو میں نسب کے بارے سوال کرتا، جی ایام عرب کے متعلق سوال کرتے اور سعید بن جبیر فتوؤں کے بارے میں آپ سے دریافت کرتے۔ آپ ہر ایک کو جواب مرحمت فرماتے اور آپ کے جامع جوابات سے یوں معلوم ہوتا کہ گویا ہم علم کے ایک سمندر میں تیر رہے ہیں۔ آپ کے علم و فضل کا بے کنارہ سمندر ایسا تھا کہ جس سے ہر قسم کے تشنگان علوم کی پیاس بجھتی تھی۔ آپ کی جامعیت کی شان ایسی تھی کہ دین کے ہر شعبے کے متعلق لوگ آکر آپ سے رہنمائی لیتے تھے۔ جاہلی ادب، لغات عرب اور ایام (عرب کی تاریخ بالخصوص جنگوں کی تاریخ) میں آپ سے بڑھ کر اور کوئی مرجع نہ تھا۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کی ایک محفل کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوصالح فرماتے ہیں کہ

میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس دیکھی ہے کہ اگر قریش اس پر فخر کریں تو ان کو اس پر فخر کا حق ہے میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ان کے دروازے پر جمع ہو جاتے یہاں تک کہ راستہ تنگ ہو جاتا کہ کوئی آنے جانے پر قدرت نہ رکھتا۔ فرمایا کہ (ایک دن) میں ان کے پاس حاضر ہوا میں نے ان کو بتایا کہ لوگ ان کے دروازے پر جمع ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے لیے وضو کا برتن رکھو، پھر آپ نے وضو کیا اور بیٹھ گئے اور فرمایا: جاؤ ان سے کہو کہ جو قرآن اور اس کے حروف کے متعلق پوچھنا چاہتا ہے وہ آجائے۔ چنانچہ وہ اندر آئے یہاں تک کہ انھوں نے کمرے اور حجرے کو بھر دیا پھر انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو بات بھی پوچھی آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کا جواب دیا بلکہ ان کے سوال سے زیادہ ان کو مستفید کیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص حلال و حرام اور فقہ کے مسائل معلوم کرنا چاہتا ہو وہ آجائے (راوی) کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا اور ان کو اندر آنے کی اجازت دے دی، چنانچہ وہ اندر آئے، یہاں تک کہ انھوں نے کمرے اور حجرے کو بھر دیا پھر انھوں نے جو بات پوچھی، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا ان کو جواب دیا بلکہ ان کو بڑھ کر بتایا۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اور ان سے کہو جو شخص فرائض وغیرہ کے متعلق مسائل پوچھنا چاہتا ہو وہ آجائے۔ بس میں باہر گیا اور ان کو اندر آنے کی اجازت دی، چنانچہ وہ اندر آئے یہاں تک کہ انھوں نے کمرے اور حجرے کو بھر دیا اور پھر جو بات بھی انھوں نے پوچھی آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کا جواب دیا بلکہ اس سے بڑھ کر بتایا۔ پھر فرمایا جو شخص لغت عرب، اشعار عرب اور نادر کلام کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہو، انھوں نے بھی کمرے اور حجرے کو بھر دیا پھر انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے جو بات پوچھی آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب دیا بلکہ اس سے بڑھ کر مستفید کیا۔ ابوصالح فرماتے ہیں کہ یہ شان میں نے سوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے کسی اور میں نہیں دیکھی۔ [البدایہ والنہایہ، ج: ۸]

قرآن فہمی تو آپ کا خصوصی میدان تھا۔ اس میں ایسے نکتے

اور معارف بیان کرتے کہ انسان دنگ رہ جاتا اور سخت سے سخت تر حالات میں بھی آپ اپنے پر قابو رکھتے ہوئے مخالفین کو قائل کر کے رہتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ کو بدری صحابہ کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے اور مجھے محسوس ہوا کہ چھوٹی عمر کی وجہ سے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میرا اس طرح آنا نامناسب سمجھ رہے ہیں، چنانچہ اس امر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی محسوس فرمایا اور کہا یہ لڑکا ان میں سے ہے جن سے آپ نے تعلیم (قرآن فہمی) پائی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم

مستدرک حاکم میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرمایا:

”نعم ترجمان القرآن“ (ابن عباس رضی اللہ عنہ قرآن کے کیا خوب ترجمان ہیں۔)

حضور ﷺ جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تہجد کے لیے بیدار ہوئے تو انھیں فرماتے اونھیں! تم بھی اٹھ جاؤ۔ [بخاری کتاب العلم] گویا چھوٹی عمر سے ہی حضور ﷺ نے کمال شفقت سے ان کی تربیت فرمائی۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد: ”هو اعلمکم“ (ابن عباس رضی اللہ عنہ تم سب میں زیادہ قرآن کے جاننے والے ہیں۔)

آپ فرماتے تھے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تم فنی الکھول ہو (یعنی جوان جسم والے پختہ دانش مند ہو۔)

حضرت علیؓ کا قول: آپ قرآن کی تفسیر ایسے کرتے ہیں کہ کسی شفاف پردے کے پس منظر سے گویا غیب کی چیزیں دکھ رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول: ”اعلم امة محمد بما انزل علی محمد“

”حضور ﷺ کی امت میں شریعت محمدی کو سب سے زیادہ

جاننے والے آپ رضی اللہ عنہ ہیں۔“

مستدرک میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت ہے جس

کے آخر میں لسان نبوت نے ابن عباس کو حبر الامۃ (علم کا سمندر) فرمایا۔ خلفائے راشدین و کبار صحابہ رضی اللہ عنہم تک ان کی قرآن فہمی سے مستفید ہوتے رہے۔

اہم اسباب فضیلت

آپ کی شخصیت کے علمی فضائل و مناقب متعدد ہیں۔ تاہم اگر مختصراً ذکر کیا جائے تو آپ کے امتیازات یہ ہیں:

- ①..... دعائے نبوت کا فیضان، ②..... کاشانہ نبوت میں تربیت، ③..... کبار صحابہ کی صحبت، ④..... طلب علم کا از حد شوق، ⑤..... بے مثال قوت حافظہ، ⑥..... مرتبہ اجتہاد پر فائز ہونا، ⑦..... انتہائی مکتدرس طبیعت۔

طرز تفسیر

آپ کا انداز تفسیر ہمہ پہلو ہوتا۔ کہیں لغت عرب و اشعار عرب کی دقیق علمی اجاث، کہیں عربوں کے محاورہ لہجوں پر بحث و تمحیص ہے کہیں ”ایام العرب“ کا تذکرہ ہے تو کہیں جاہلی ادب کے کسی گوشہ پر اخذ و استفادہ کے ساتھ ساتھ نقد و جرح بھی ہے۔ یہ تو ہوا ایک خاص پہلو لیکن عمومی طور پر آپ کی تفسیر کا انداز بقول ابن حجر رحمہ اللہ اس طرح تھا:

”اگر کوئی آپ سے مسئلہ پوچھتا اور اس معاملے میں قرآن حکیم سے واضح حکم ملتا تو آپ اسے بتلا دیتے، ورنہ قول رسول (حدیث و سنت) کو بنیاد بناتے ہوئے اور اگر نبی سے مسئلہ صراحۃً ثابت نہ ہوتا تو شیخین کے اقوال کو دیکھتے، اگر یہاں سے بھی مسئلہ کے حل کی جانب آپ کی دانست میں کوئی اشارہ نہ ملتا تو پھر اپنی رائے بیان فرماتے۔“

[الاصابہ فی التمییز الصحابہ، ابن حجر عسقلانی]

آپ کے چند معروف تلامذہ

مکہ مکرمہ کے مکتب تفسیر کے آپ امام ہیں اور مدینہ منورہ،

عراق، دمشق و دیگر بلاد اسلامیہ میں فن تفسیر کو عروج آپ ہی کے تلامذہ نے دیا۔ جن میں سعید بن جبیر، امام ضحاک بن مزاحم، امام مجاہد بن جبیر، امام قتادہ، علی بن ابی طلحہ، مقاتل بن سلیمان، امام شعبہ بن ججاج، امام سفیان ثوری، ابو عمرو بن العلاء اور حضرت عکرمہ مشہور ہیں۔

آپ کی مرویات

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی الجامع الصحیح میں آپ کی ۱۲۰ روایات لی ہیں۔ امام مسلم نے ۹۰، صحاح و دیگر کتب احادیث میں آپ کی مرویات کی تعداد ۶۶۰ یا ۷۱۰ تک بیان کی گئی ہیں۔

حدیث کا شاید ہی کوئی ایسا مجموعہ ہو جس کی کتاب التفسیر میں آپ کی روایات درج نہ ہوں۔ تفسیر ابن جریر طبری سے لے کر جتنی امہات تفاسیر ہیں وہ آپ کے تفسیری اقوال سے مزین ہیں۔ کوئی مفسر آپ کے فہم قرآن سے بے اعتنائی نہیں کر سکا۔

وفات حسرت آیات

عمر کے آخری مرحلے میں آپ آب و ہوا کی تبدیلی کی خاطر طائف کی وادی میں فروکش ہو گئے اور تادم آخریں اسی جگہ کو اپنے قیام کے فخر سے مفتخر کیے رکھا۔ آخر میں بینائی چلی گئی تھی لیکن آپ اس پر زیادہ غمگین نہ ہوئے بلکہ فرمایا:

ان یاخذ اللہ من عینی نورھا ففی لسانی وقلبی منها نور قلبی زکی وعلقی غیر ذی دخل وفی فمی صلام کالسیف ماثور ”اگر اللہ کے حکم سے میری آنکھوں کی بصارت جاتی بھی رہی تو کیا غم، میری زبان اور میرے دل میں اس سے بڑھ کر نور ہے۔ میرا دل پاک و طاہر ہے اور میری عقل و فہم میں کوئی کمی نہیں اور میرے منہ میں اللہ نے جو زبان رکھی ہے وہ تیغ براں سے بڑھ کر ہے۔“

یہ مفسر اعظم ترجمان القرآن دعائے نبوی کا فیض یافتہ حبر

الامۃ فتنی الکھول (پختہ فکر جوان) قرآن کا سب سے بڑا عالم، علم و عمل کا آفتاب ۱۷ برس تک اپنی علمی و فکری تابانیوں سے ایک عالم کو منور کرتا ہوا ۶۸ ہجری کو طائف کی وادی میں جا غروب ہوا۔

﴿کل من علیہا فان ۝ ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام﴾

محمد بن حنفیہ نے جنازہ پڑھایا اور فرمایا:

”اس امت کے سب سے بڑے عالم قرآن کو ہم نے آج زمین کے سپرد کر دیا۔“

آخر میں بطور برکت ہم حسان کے چند وہ اشعار نقل کر کے اس تذکرہ جمیل کو مکمل کرتے ہیں۔

اذا ما ابن عباس بدالك وجهه
رأيت له في كل مجمعة فضلا
اذا قال لم يترك مقالا لقائل
بملتقطات لا ترى بينها فصلا
كفى وشفى ما في النفوس فلم يدع
لذی اربة في القول جدا ولا هذلا
سموت الى العليا، بغير مشقة
فنلت ذراها لا دنيا ولا وغلا
خلقت حليفا للمروءة والندي
بليغا ولم تخلق كهاما ولا حلا

”ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سراپا ایسا باوقار ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ وہ علمی مجلس میں امتیاز و فضیلت کے مستحق ٹھہریں گے۔

جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو وہ ایسی مکمل، جامع اور نقائص سے پاک ہوتی ہے کہ کسی دوسرے کے لیے بولنے یا اعتراض کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ گویا کہ ہر عیب اور کجی سے پاک۔

جو کچھ ذخیرہ علم ان کے دل میں ہے وہ ہر مسئلے کے حل کے لیے کافی ہے۔ آپ کی دانش ہمہ پہلو ہے۔ اسی لیے آپ کسی ماہر و فہیم زبان دان کی طرح گفتگو میں کوئی رخ نہ نہیں چھوڑتے۔

اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! آپ بغیر کسی خاص مشقت کے علم کے پہاڑ پر چڑھتے چلے گئے اور بالآخر اس کی چوٹی پر پہنچے (یعنی علم میں سب سے فائق ٹھہرے) اور وادی علم و تحقیق کی کوئی بلندی و پستی آپ سے مخفی نہ رہ سکی۔

(اے ابن عباس رضی اللہ عنہ) آپ داد و دہش سخاوت اور عالی ظرفی کے گویا ساتھی بنا کر دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ نہ تو آپ سست رو ہیں، نہ کمزور اور نہ ہی مال و دولت سے محروم (یعنی آپ چست و تیز رو قوی اور صاحب مال ہیں۔)



المصنف لابن ابی شیبہ میں تحریف

شیخ محمد عوامہ کی جسارت

ابوالبدر مولانا ارشاد الحق اثری (فیصل آباد)

اللہ المشتکی -

اور اب حال ہی میں ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۰۰۶ء میں المصنف کا ایک ایڈیشن شیخ محمد عوامہ کی تحقیق سے دارالقبلہ مؤسسہ علوم القرآن سے شائع ہوا ہے اور اس میں بھی ”تحت السرة“ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ ادارۃ القرآن کراچی کا یہ اقدام تو سراسر چوری اور سینہ زوری کا مصداق ہے۔ کس نسخہ کی بنیاد پر انھوں نے یہ جسارت کی؟ اس بات کی کوئی وضاحت انھوں نے نہیں کی، طیب اکادمی ملتان کی کارستانی ہی ان کی کذب بیانی کی دلیل ہے جیسا کہ ابھی ہم نے اشارہ کیا ہے۔ البتہ شیخ محمد عوامہ نے دونوں کی بنیاد پر ”تحت السرة“ کا اضافہ کیا۔ ان میں ایک نسخہ شیخ محمد عابد سندھی کا ہے اور دوسرا شیخ محمد مرتضیٰ الزبیدی کا ہے۔ چنانچہ اسی حدیث (رقم: ۳۹۵۹، ج: ۳، ص: ۳۲۰) کے تحت انھوں نے لکھا ہے:

”تحت السرة زیادة ثابتة فی ت، ع کما یری القاری الکریم صورتهما فی مقدمة هذا المجلد“
”کہ ”تحت السرة“ کی زیادتی نسخہ ”ت“ اور ”ع“ میں ثابت ہے، جیسا کہ محترم قاری اس جلد کی ابتدا میں ان دونوں نسخوں کا عکس دیکھتا ہے۔“

”ت“ سے مراد علامہ محمد مرتضیٰ الزبیدی کا نسخہ ہے، اور ”ع“ سے شیخ محمد عابد سندھی کا نسخہ مراد ہے۔ شیخ محمد عوامہ کے اشارہ کے مطابق ہم نے ان دونوں نسخوں کا عکس بھی دیکھا، اور ان دونوں

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت وائل بن حجر کی حدیث نماز میں ہاتھ باندھنے کے حوالے سے ایک عرصہ سے موضوع بحث بنی ہوئی ہے کہ اس میں ”تحت السرة“ کے الفاظ ہیں یا نہیں؟ المصنف کی پہلی جلد سب سے پہلے ہندوستان سے مولانا ابوالکلام اکادمی حیدرآباد سے ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۶ء میں طبع ہوئی۔ اس کے (ج: ۱، ص: ۳۹۰) پر یہی حدیث ہے۔ مگر اس میں ”تحت السرة“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس کا عکس دوبارہ الدارالسلفية بمبئی سے طبع ہوا۔ لیکن اسی نسخہ کو جب ادارۃ القرآن کراچی کے کارپردازان نے شائع کیا تو اس میں پورے صفحہ کے الفاظ کے مقابلے میں جلی حروف سے ”تحت السرة“ کا اضافہ کر دیا۔ جسے ہر انسان چشم خود دیکھ سکتا ہے۔

اس کے بعد طیب اکادمی ملتان اور مکتبہ امدادیہ ملتان کے منتظمین نے استاد سعید اللہام کی تحقیق سے مصنف ابن ابی شیبہ کا نسخہ شائع کیا، اور انھوں نے بھی اپنی جانب سے اس حدیث میں ”تحت السرة“ کا اضافہ کیا۔ بددیانتی اور تحریف کی ابتدا دیکھیے کہ استاذ سعید اللہام کی تحقیق سے یہی نسخہ اس سے قبل دار الفکر بیروت نے شائع کیا مگر اس میں یہ اضافہ قطعاً نہیں۔ ارباب طیب اکادمی نے مکتبہ راشدیہ پیرآف جھنڈا سندھ کے نسخہ مخطوط مصنف ابن ابی شیبہ کے متعلقہ صفحہ میں جو شرم ناک تحریف کر کے اس کا عکس شائع کیا وہ ظلمات بعضها فوق بعض کا مصداق ہے۔ فالی

نسخوں کا جو تعارف انھوں نے المصنف کے نسخوں کی تفصیل کے ضمن میں پیش کیا اسے بھی دیکھا۔ لیکن انہی کی تفصیلات کے مطابق ”تحت السرة“ کا یہاں اضافہ صحیح نہیں۔ کیوں کہ شیخ محمد عابد سندھی مرحوم کے نسخہ کے متعلق خود شیخ محمد عوامہ نے وضاحت کر دی ہے کہ

”ہی نسخة للاستئناس لا للاعتماد علیہا“

”کہ یہ نسخہ مانوس ہونے کے لیے ہے، اس پر اعتماد کے طور پر

نہیں۔“ [ص: ۲۷]

لہذا جب اس نسخہ کی یہ غیر یقینی پوزیشن خود انھوں نے بیان کر دی ہے تو پھر اس پر ”اعتماد“ محض مسلکی حمیت کا شاخسانہ نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ نسخہ قابل اعتماد کیوں نہیں؟ اس کا اشارہ بھی انھوں نے خود کر دیا کہ یہ ”لیست بخطہ“ خود شیخ محمد عابد سندھی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں بلکہ انھوں نے اسے محسن بن محسن الزرقانی سے ۱۲۲۹ھ میں لکھوایا تھا۔ شیخ سندھی نے اس کی ابتدا میں صرف اس کے ابواب کی فہرست لکھی ہے۔ اس نسخہ کا تقابل اصل نسخہ سے ہوا؟ اور جس اصل سے شیخ سندھی کے لیے نسخہ نقل کیا اس کی استنادی پوزیشن کیا ہے؟ یہ تفصیل بھی شیخ محمد عوامہ نے نہیں لکھی، بظاہر یہ تفصیلات بھی مفقود ہیں جس سے مزید اس نسخہ کے ناقابل اعتماد ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

رہا دوسرا نسخہ جو شیخ محمد مرتضیٰ الزبیدی لکھی کا ہے جس کے بارے میں خود انھوں نے لکھا ہے کہ کئی مقامات پر علامہ یعنی رحمہ اللہ کے اس پر حواشی ہیں اور یہی نسخہ شیخ قاسم بن قطلوبغا کے پیش نظر تھا اور اسی نسخہ سے شیخ قاسم نے ”التعریف والإخبار بتخریج احادیث الاختیار“ میں یہ حدیث بھی نقل کی ہے اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ اس نسخہ کے بارے میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ”والاعتماد علیہا مفید“ اس پر اعتماد مفید ہے۔ گویا اس پر بھی اعتماد یقینی نہیں، اعتماد کی گنجائش ہے۔ مگر اس نسخہ میں بھی وہی نقص ہے جس کی طرف علامہ محمد حیات سندھی نے ”فتح الغفور فی وضع الأیدی علی

الصدور“ میں اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

”فی ثبوت زیادة تحت السرة نظر، بل ہی غلط، منشأ السهو، فانی راجعت نسخة صحیحة للمصنف فرأیت فیہا ہذا الحدیث بہذا السند وبہذا اللفظ الا انه لیس فیہا تحت السرة وذكر فیہا بعد ہذا الحدیث اثر النخعی ولفظہ قریب من لفظ ہذا الحدیث، وفی آخرہ ”فی الصلاة تحت السرة“، فلعل بصر الکاتب زاغ من محل الی آخرہ، فادرج لفظ الموقوف فی المرفوع، ویدل علی ما ذکر ت ان کل النسخ لیست متفقة علی ہذہ الزیادة، وأن غیر واحد من اہل الحدیث روی ہذا الحدیث ولم یذكر ”تحت السرة“، بل ما رأیت ولا سمعت أحداً من اہل العلم ذکر ہذا الحدیث بہذہ الزیادة الا القاسم“ [فتح الغفور، ص: ۷۷، ۷۸۔ المطبوعہ: ۱۹۷۷ بتحقیق

الشیخ ضیاء الرحمن الاعظمی]

”تحت السرة“ کی زیادت میں نظر ہے، بلکہ یہ زیادت غلط ہے اور اس کا سبب سہو ہے۔ میں نے مصنف ابن ابی شیبہ کا صحیح نسخہ دیکھا ہے جس میں یہ حدیث اسی سند اور انہی الفاظ سے ہے مگر اس میں تحت السرة کے الفاظ نہیں۔ اس حدیث کے بعد ابراہیم نخعی کا اثر تقریباً انہی الفاظ سے ہے جو حدیث کے الفاظ ہیں اور اس کے آخر میں ”فی الصلاة تحت السرة“ کے الفاظ ہیں۔ غالباً کاتب کی نظر حدیث سے اس اثر کے آخری حصہ پر چلی گئی جس کی بنا پر موقوف کا لفظ مرفوع میں درج کر دیا اور یہ جو میں نے ذکر کیا ہے اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ المصنف کے نسخے اس زیادت کے نقل کرنے میں متفق نہیں ہیں اور بہت سے محدثین نے یہ

حدیث بیان کی ہے مگر وہ ”تحت السرة“ کے الفاظ ذکر نہیں کرتے، بلکہ میں نے شیخ قاسم کے علاوہ کسی عالم سے یہ روایت اس زیادت کے ساتھ نہ سنی، نہ ہی کہیں دیکھی۔“

یہی بات علامہ محمد حیات سندھی نے ”درة فی اظہار غش نقد الصرة“ میں بھی کہی ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

”روی هذا الحديث ابن ابی شیبہ وروی بعده اثر النخعی ولفظهما قريب وفي آخر الاثر لفظ تحت السرة، واختلفت نسخه، ففي البعض ذكر الحديث مطلقا من غير تعيين محل الوضع مع وجود الاثر المذكور، وفي البعض وقع الحديث المرفوع بزيادة لفظ تحت السرة بدون اثر النخعی، فيحتمل ان هذه الزيادة منشأها ترك الكاتب سهوا نحو سطر في الوسط وادراج لفظ الاثر في المرفوع۔“ [درة، ص: ۵]

”یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے بیان کی ہے اور اس کے بعد ابراہیم نخعی کا اثر بیان کیا ہے، اور ان دونوں کے الفاظ ایک جیسے ہیں اور ابراہیم نخعی کے اثر کے آخر میں ”تحت السرة“ کے الفاظ ہیں۔ ابن ابی شیبہ کے نسخے مختلف ہیں۔ چنانچہ بعض میں ابراہیم نخعی کے اثر کے ساتھ ساتھ ہاتھ باندھنے کی تعیین کے بغیر مطلقاً حدیث کا ذکر ہے اور بعض نسخوں میں مرفوع حدیث کے ساتھ ”تحت السرة“ کے الفاظ ہیں ان میں ابراہیم نخعی کا اثر نہیں ہے۔ اس لیے یہ احتمال ہے کہ مرفوع حدیث میں زیادت کا تب کے سہو کا نتیجہ ہے۔ جس سے درمیان میں ایک سطر کے قریب عبارت رہ گئی اور ابراہیم نخعی کے اثر کے الفاظ مرفوع حدیث میں درج ہو گئے۔“

علامہ سندھی نے یہ بات جو ہتکرا کہی بالکل یہی صورت شیخ محمد

مرتضیٰ الزبیدی کے نسخہ کی ہے اور یہی نسخہ اس سے قبل علامہ قاسم بن قطلوبغا کے پاس تھا جیسا کہ شیخ محمد عوامہ نے تصریح کی ہے، اور اس نسخہ میں صرف مرفوع حدیث ہے حضرت ابراہیم نخعی کا اثر اس سے ساقط ہے۔ جیسا کہ اس عکس سے نمایاں ہوتا ہے جو شیخ محمد عوامہ نے الجملہ الثالث کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس لیے جب اس میں سے ابراہیم نخعی کا اثر ساقط ہے تو اس سے علامہ محمد حیات سندھی کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے۔ کہ کا تب کی صرف نظر اثر نخعی میں ”تحت السرة“ کے الفاظ مرفوع روایت کے ساتھ لکھ دیے گئے ہیں، اور درمیان میں اثر کے الفاظ مع سند ساقط ہو گئے ہیں۔ مگر شیخ محمد عوامہ کی اس سے تشفی نہیں ہوئی۔ انھوں نے اس اشکال کا جو جواب دیا وہ بڑا مضحکہ خیز اور تعجب ناک ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

”ان هذا تظنن وتشكك يفرح به اعداء الله والاسلام، لو فتح لما بقى لنا ثقة بشيء من مصادر ديننا، ومع ذلك فماذا فعل بثبوت ذلك كله في نسخة الشيخ محمد عابد السندهي، التي فيها الحديث والاثر، وفي آخر كل منهما تحت السرة۔“ [المصنف، ج: ۳، ص: ۳۲۱]

”اس شک اور گمان سے اللہ تعالیٰ اور اسلام کے دشمن خوش ہوں گے، اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو ہمارے مصادر دینیہ کا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ علاوہ ازیں پھر ہم کیا کریں گے جب کہ یہ سب شیخ محمد عابد سندھی رحمہ اللہ کے نسخہ میں ثابت ہے جس میں اثر اور حدیث دونوں ہیں اور دونوں کے ساتھ ”تحت السرة“ کے الفاظ ہیں۔“

ہم شیخ محمد عوامہ سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ایمان داری سے ہٹائیں کہ کیا قلمی نسخوں اور مطبوعہ کتابوں میں اس نوعیت کی کاتبوں کے صرف نظر کی مثالیں نہیں پائی جاتیں؟ اور نقل عبارت میں اس قسم کا تسامح نہیں ہوتا؟ قارئین کرام کی تشفی کے لیے ہم اس کی چند

مثالیں عرض کرتے ہیں۔

پہلی سند کے متن سے ملا دیا۔

①..... مسند امام احمد (ج: ۱، ص: ۳۲۷) مطبعہ مینہ، طبع دار احیاء التراث اور طبع المکتب الاسلامی بیروت، رقم: ۳۰۱۲ میں ایک حدیث کی سند اور اس کا متن یوں ہے:

”ثنا سلیمان بن داود ثنا عباد بن منصور عن عكرمة عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم وقف بجمع فلما اضاء كل شيء قبل ان تطلع الشمس افاض -“ [المسند، ج: ۱، ص: ۳۲۷، رقم: ۳۰۱۲]

مسند امام احمد کی تینوں طبعات میں یہ روایت اسی طرح مندرج ہے۔ حالاں کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ چنانچہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ اس سند کا متن اور اس کے مابعد روایت کی سند کا کچھ حصہ کاتب کے سہو سے حذف ہو گیا ہے۔ اصل سند اور متن یوں ہے:

”حدثنا سليمان بن داود حدثنا عباد بن منصور عن عكرمة [عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث إلى أبي طيبة عشاء فجمعه واعطاه أجره، حدثنا ابو داود عن زمعة عن عكرمة] عن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم وقف بجمع فلما اضاء كل شيء قبل أن تطلع الشمس افاض -“

مسند امام احمد جو بیت الافکار الدولیہ، الریاض سے ایک ہی جلد میں طبع ہوئی اس کے (ص: ۲۷۰) پر یہ روایت ہے، اور محقق نے اشارہ کیا ہے کہ مسند احمد مطبوعہ مطبعہ مینہ میں پہلی سند کا کچھ حصہ اور اس کا متن اور دوسری سند کا ابتدائی حصہ کاتب کی غلطی سے ساقط ہو گیا ہے۔ تو سین میں ہم نے اسے واضح کر دیا ہے۔ کاتب کی نظر پہلی سند میں عکرمہ کے بعد دوسری سند میں عکرمہ پر پڑ گئی اور دوسری سند کا متن

دوسری روایت علامہ ابن جوزی نے (التحقیق، ج: ۲، ص: ۴۷۵)، حافظ ابن حجر نے اطراف المسند (ج: ۳، ص: ۲۰۰) اور علامہ زیلعی نے نصب الراية (ج: ۴، ص: ۷۴) میں اسی طرح نقل کی ہے۔ یعنی ”ابوداؤد عن زمعة عن عكرمة“ سے، اور حُشی نے حاشیہ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ مسند امام احمد (ج: ۱، ص: ۳۲۷) میں یہ روایت اس سند سے نہیں بلکہ ”سلیمان بن داود ثنا عباد بن منصور عن عكرمة“ سے ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

”لم أجد حديث ابن عباس في مسند احمد بهذا السند، بل اسنادہ هكذا: حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا سليمان بن داود ثنا عباد بن منصور عن عكرمة عن ابن عباس، الحديث -“

جس طرح مسند امام احمد میں عکرمہ سے کاتب کی نظر نیچے کی سطر میں عکرمہ پر پڑی اور درمیان میں حصہ حذف ہو گیا۔ بعینہ المصنف میں علامہ الزبیدی کے نسخہ میں مرفوع روایت لکھتے ہوئے ”فی الصلاة“ سے نظر نیچے کی سطر میں ابراہیم نخعی کے اثر میں ”فی الصلاة“ پر پڑی اور مرفوع کے ساتھ اس کے بعد کے الفاظ ”تحت السرة“ لکھ دیے گئے اور درمیان میں ابراہیم نخعی کے اثر کی سند اور اسی کے متن کا ابتدائی حصہ سہو کاتب کی نظر ہو گیا۔ اگر اس سیدھی سی بات سے مصادر دینیہ پر سے اعتماد اٹھ جانے کا خطرہ ہے تو مسند امام احمد پر اعتماد چہ معنی دارد؟ مسند احمد میں یہی ایک حدیث نہیں اہل علم خوب جانتے ہیں کہ مطبعہ مینہ میں بہت سی احادیث ساقط ہیں۔ مگر کسی نے اختلاف نسخ کو بد اعتمادی پر محمول نہیں کیا۔ شیخ محمد عوامہ ان حقائق سے بے خبر نہیں مگر عصبیت مذہبی اس کے قبول سے مانع ہے۔

②..... مسند امام احمد پر ہی موقوف نہیں جامع ترمذی جیسی متداول اور داخل نصاب کتاب کے اکثر نسخوں میں ”باب مناقب معاذ بن جبل وزید بن ثابت وابی بن کعب وابی عبیدہ

رضی اللہ عنہم“ میں امام ترمذی رحمہ اللہ، قتادہ عن انس سے ایک روایت ”ارحم امتی بامتی ابوبکر، الحدیث“ لائے ہیں اور اس کے بعد فرمایا ہے:

”وقد رواه ابوقلابہ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه، حدثنا محمد بن بشار نا عبد الوہاب بن عبد المجید الثقفی نا خالد الحذاء عن ابی قلابہ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لأبی بن کعب ان اللہ امرنی ان اقرأ علیک لم یکن الذین کفروا۔“ الخ [ترمذی مع التحفة، ج: ۴، ص: ۳۴۴]

حالاں کہ یہ روایت اس سند سے قطعاً نہیں بلکہ اس سند سے ”ارحم امتی بامتی ابوبکر، الحدیث“ ہی مروی ہے، اور حدیث ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لأبی بن کعب ان اللہ امرنی“ کی سند یوں ہے:

”حدثنا محمد بن بشار ثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة قال سمعت قتادة يحدث عن انس“ کاتب کی غلطی سے پہلی سند نقل کرتے ہوئے بعد کی سند میں ”عن انس“ پر پڑی اور درمیان میں پہلی سند کا متن، جو ”ارحم امتی، الحدیث“ کے الفاظ سے تھا، اور دوسری حدیث کی سند حذف ہو گئی۔ علامہ المزی رحمہ اللہ نے تحفة الاشراف [ج: ۱، ص: ۲۵۹، ۳۲۵] میں اس غلطی پر خبردار کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ حافظ ابن عساکر نے بھی یہ روایت اسی طرح غلط سند سے نقل کی ہے، اور صراحت کی ہے کہ ”قد دخل علیہ حدیث فی حدیث“ ترمذی کے اکثر نسخوں میں یہ روایت اسی طرح ہے البتہ علامہ ابن العربی کی شرح عارضة الاحوذی [ج: ۱۲، ص: ۲۰۲، ۲۰۳] میں اور دکتور بشار عواد کی تحقیق سے دار الغرب الاسلامی سے جو نسخہ شائع ہوا اس کی [ج: ۶، ص: ۱۲۷، ۱۲۸] میں یہ درست سند اور متن

سے منقول ہے۔

کتب حدیث ہی میں نہیں رجال کی کتابوں میں بھی اس نوعیت کا سہو موجود ہے۔ چنانچہ لسان المیزان میں ہے:

”محمد بن عبد اللہ عن معاویہ بن ابی سفیان قال فذكر حدثنا منكرأ في مدمن الخمر لا يعرف انتهى۔“ [لسان الميزان، ج: ۵، ص: ۲۲۴]

اب میزان الاعتدال سے اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ حقیقت کیا سے کیا ہو گئی ہے۔

”محمد بن عبد اللہ بن معاویہ بن سفیان قال فذكر حديثا [لا يعرف، محمد بن عبد اللہ عن ابيه قال فذكر حديثا] منكرأ في مدمن الخمر لا يعرف۔“ [الميزان، ج: ۳، ص: ۶۰۳]

غور فرمایا آپ نے کہ لسان میں ”محمد بن عبد اللہ عن اييه“ کا ترجمہ کاتب کے سہو سے گر گیا ہے۔ پہلی سطر میں ”فذكر حديثا“ سے دوسری سطر میں لکھے ہوئے ”فذكر حديثا“ الفاظ پر نظر چلی گئی اور یوں درمیان کا حصہ ساقط ہو گیا جیسا کہ تو سین سے ہم نے واضح کر دیا ہے۔ ”بن معاویہ بن سفیان“ کا عن معاویہ بن ابی سفیان ہو جانا تو معمولی مسئلہ ہے۔

کتب احادیث اور کتب رجال میں اس نوعیت کی متعدد مثالیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ہمیں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ کاتب سے اس قسم کا تغافل و تسامح ناممکن نہیں۔ اصول حدیث میں کتابت کے اصول اور کتاب کے معتبر ہونے کے لیے جو اصل سے تقابل وغیرہ کی شروط کا ذکر ہے وہ انہی خطرات کی بنا پر ہے۔ کاتب کی اس نوعیت کی غفلت کا کوئی مبتدی تو انکار کر سکتا ہے مگر حیرت ہے کہ شیخ محمد عوامہ بھی اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ اسے مصادر دین پر عدم اعتماد کا باعث قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ اس نوعیت کی بشری لغزشوں سے تو کیا وضاعین کی دیسیہ کاریوں کے باوجود آج تک

کسی صاحب علم نے مصادر دین پر شک نہیں کیا۔ یہ تو ایک دولفظوں یا سطروں کی بات ہے وضاعین نے کتابوں میں کیسے کیسے تبدیلی کی، رسائل لکھ کر ائمہ اسلام کی طرف انھیں منسوب کیا، کتابیں مستعار لے کر ان میں حک و اضافہ کرتے رہے۔ مگر ان کی ان تمام کارستانیوں کے باوجود کسی قابل اعتماد عالم نے مصادر دین میں شک و ریب کے ڈورے نہیں چھوڑے محدثین اور اہل علم نے ہر دور میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا۔ مگر انفس ہے کہ شیخ محمد عوامہ کو سہو کا تب میں مصادر دین مجروح ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

ہماری اس مختصر وضاحت سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کا تب کا سہو اور تسامح ناممکن نہیں علامہ محمد حیات سندھی نے جوابات المصنف میں ”تحت السرة“ کی زیادت کے بارے میں کہی ہے وہ ایک واضح حقیقت ہے اور اس جیسے تسامح کی اور بھی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ شیخ محمد عابد سندھی کے نسخہ میں جب مرفوع حدیث اور ابراہیم رحمہ اللہ کے اثر کے ساتھ دونوں جگہ پر ”نحت السرة“ کے الفاظ ہیں تو اس سے اس خدشہ کا جواب ہو جاتا ہے جس کا اظہار علامہ محمد حیات سندھی نے کیا ہے۔ ہمیں رہ رہ کر شیخ محمد عوامہ پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ ایک طرف مقدمہ کتاب میں نسخوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے صاف صاف فرماتے ہیں شیخ محمد عابد کا نسخہ قابل اعتماد نہیں۔ اس سے صرف ہم مانوس ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہاں اسی ناقابل اعتماد نسخہ پر بڑے رسوخ سے اعتماد کا اظہار کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ انا لله وانا اليه راجعون

ہم حیران ہیں کہ جس نسخہ کو شیخ محمد عوامہ نے خود ناقابل اعتماد قرار دیا، اس پر یہ اعتماد کیسا؟ اور اس کے مقابلے میں جن چار نسخوں میں یہ زیادت نہیں ان پر عدم اعتماد کیوں کر؟ حالانکہ ان نسخوں میں ایک نسخہ وہ ہے جس کے بارے میں خود شیخ عوامہ نے فرمایا ہے: ”ہی اقدم نسخة وقضت علیہا“ کہ یہ سب سے قدیم نسخہ ہے جو

۶۳۸ھ میں لکھا ہے اس کا خط بھی بڑا واضح اور صاف ہے۔ اس کا نسخہ بھی ”مققن“ ہے اور یہ نسخہ بھی اصل سے مقابلہ شدہ ہے۔ [ص: ۳۸، ۳۹] جس کی علامت انھوں نے ”خ“ دی ہے۔ اس سب سے صحیح اور قدیم نسخہ پر اعتماد کیوں نہیں؟ تین مزید نسخوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ان چار نسخوں پر تو اعتماد نہ ہو اور جسے خود ”لا لای اعتماد علیہا“ کہہ کر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہیں اس پر اعتماد کو پھر مذہبی طبیعت کا شاخسانہ نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے؟

گل دیگر گفت

یہی نہیں بلکہ مزید تعجب ناک بات یہ ہے کہ ان دو نسخوں (علامہ محمد عابد سندھی اور علامہ زبیدی کے نسخوں) کے علاوہ ”ثلاث“ تین اور نسخے بھی اس زیادت کے مؤید ہیں۔ وہ نسخے کون سے ہیں ان کے الفاظ ہیں:

”نسخة العلامة قاسم، وقد تكون هي نسخة ت، ونسخة العلامة عبد القادر بن ابی بکر الصديقي مفتی مكة المكرمة، ونسخة العلامة محمد اکرم السندھی، نقل ذلك منها العلامة محمد هاشم التتوی السندی فی رسالته ترصیع الدرة علی درهم الصرة۔“

[حاشیہ المصنف، ج: ۳، ص: ۳۲۱]

”ایک نسخہ علامہ قاسم کا اور یہ وہی ت (یعنی علامہ الزبیدی) والانسہ ہے۔ دوسرا علامہ عبد القادر الصدیقی مفتی مکہ مکرمہ کا، اور تیسرا نسخہ علامہ محمد اکرم السندھی کا، جیسا کہ ان سے علامہ محمد ہاشم ٹھٹھوی سندھی نے اپنے رسالہ ”ترصیع الدرة علی درهم الصرة“ میں نقل کیا ہے۔“

حیرت ہے کہ علامہ قاسم کے نسخہ کو علامہ زبیدی والانسہ قرار دینے کے باوجود اسے ایک اور نسخہ کیوں کر باور کرایا جاتا ہے؟ پھر اس نسخہ کو شیخ عابد کے نسخہ کا مؤید قرار دینا بھی ظلمات بعضہا فوق

بعض کا مصداق ہے۔ جب شیخ قاسم کے نسخہ میں اثر نخعی نہیں ہے تو یہ شیخ عابد کے نسخہ کا مؤید کیوں کر بن گیا؟ صرف اسی وجہ سے کہ اس میں ”تحت السرة“ مرفوع روایت کے ساتھ ہے۔ اگر یہ زیادت مرفوع میں صحیح ہے تو اثر نخعی کے ساقط ہونے کا انکار اتنی دیدہ دری سے کیوں ہے؟ اور یہ قابل اعتماد نسخہ کیوں کر ہے؟ جب آپ نے خود فرمایا ہے کہ ”اس نسخہ پر اعتماد مفید ہے۔“ تو اب اس پر یہ کامل اعتماد علم کی کون سی خدمت ہے؟

رہا علامہ محمد اکرم سندھی کا نسخہ تو اس کے ذکر کرنے میں بھی شیخ محمد عروامہ نے دیانت و امانت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کیوں کہ جس کتاب کے حوالے سے انھوں نے اس نسخہ کا ذکر کیا اسی کتاب میں شیخ محمد ہاشم سندھی نے فرمایا ہے:

”اذ الظاهر فى نسخة الشيخ محمد اكرم ان لفظة تحت السرة من تمامة الحديث كما هو الموجود الآن فيها وان اثر النخعي ساقط منه بتمامه مع لفظة تحت السرة۔“ [ترصيع الدرّة على درهم الصرة، ص: ۷۰]

”ظاہر ہے کہ شیخ محمد اکرم کے نسخہ میں ”تحت السرة“ کے الفاظ حدیث کا متمم ہیں جیسا کہ اب بھی اس میں موجود ہے اور اس سے اثر نخعی ”تحت السرة“ کے ساتھ مکمل طور پر ساقط ہے۔“

لیجیے جناب! شیخ محمد اکرم کے نسخے کا پردہ تو خود شیخ محمد ہاشم نے چاک کر دیا۔ اس میں بھی وہی نقض اور عیب ہے جو شیخ قاسم اور بعد میں علامہ الزبیدی کے نسخہ میں ہے۔ اب انصاف شرط ہے کہ یہ ”تحت السرة“ کے صحیح ہونے کا مؤید کیسے ہوا؟ جیسا کہ قبل ازیں ہم وضاحت کر آئے ہیں۔

رہا علامہ عبدالقادر مفتی مکہ مکرمہ کا نسخہ تو اس کے بارے میں بلاشبہ شیخ محمد ہاشم نے لکھا ہے کہ اس میں مرفوع اور اثر نخعی دونوں ہیں

اور دونوں میں ”تحت السرة“ کے الفاظ ہیں۔ مگر انھوں نے یہ قطعاً ذکر نہیں کیا کہ یہ نسخہ کس نسخہ سے منقولہ ہے اور اس کا ناخ کون ہے۔ یہ اصل سے مقابلہ شدہ اور قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ جب تک یہ امور ثابت نہ ہوں اس پر اعتماد اہل علم کی شان نہیں۔ ایسے نسخہ سے استدلال محض ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“ کا مصداق ہے۔

عذر گناہ بدتر از گناہ

شیخ محمد عروامہ نے ”تحت السرة“ کے ”ثبوت“ اور ”تین نسخوں“ میں اس کے ”وجود“ پر بحث کے بعد یہ بھی ضروری سمجھا کہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی کی جانب سے شائع ہونے والے المصنف کے نسخہ میں ”تحت السرة“ کے اضافہ کی شرمناک تحریف کو درست ثابت کیا جائے۔ چنانچہ اس حوالے سے انھوں نے فرمایا کہ ”ادارۃ القرآن کے منظم شیخ نور احمد نے مجھ سے حرم نبوی میں ذکر کیا کہ المصنف کے نسخہ میں ”تحت السرة“ کا اضافہ شیخ محمد ہاشم کی تحقیق کی بنیاد پر کیا ہے جو انھوں نے ”ترصیع الدرّة“ میں کی ہے اور فرمایا ہے کہ تین خطی نسخوں میں یہ اضافہ موجود ہے۔ اس سے انھیں مکمل اطمینان ہوا تو ”تحت السرة“ کا اضافہ کر دیا۔ انھوں نے کوئی رسول اللہ ﷺ پر کذب کی جرأت نہیں کی اور نہ ہی انھوں نے مذہب کی تائید میں نص کو بدلا ہے۔“

[ملخصاً حاشیہ، ج: ۳، ص: ۳۲۱، ۳۲۲]

عرض ہے کہ یہی بات راقم سے خود مولانا نور احمد صاحب نے ذکر کی تھی۔ راقم استاذی مکرم حضرت مولانا محمد عبداللہ محدث فیصل آبادی نور اللہ مرقدہ کے ہمراہ کتابوں کی خریداری کے لیے ادارۃ القرآن میں پہنچا۔ حضرت الاستاذ تو کتابوں کی تلاش میں مصروف ہو گئے اور یہ ناکارہ مولانا نور محمد کے پاس کھڑا ہو گیا اور انھوں نے المصنف کے بارے میں وہی بات فرمائی جو شیخ محمد عروامہ نے ذکر کی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ۱۴۰۷ھ بمطابق ۱۹۸۷ء میں سب سے پہلے راقم ہی نے اس تحریف سے عالم اسلام کو خبردار کیا۔ چنانچہ مسلک

محدثین کے معروف ترجمان ہفت روزہ ”الاعتصام“ کی ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۰۷ء، ۲۰ فروری ۱۹۸۷ء کی اشاعت میں اس حوالے سے مفصل مضمون شائع کروایا جو بعد میں راقم ہی کے ”مقالات“ کی جلد اول میں طبع ہوا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ مولانا نور محمد مرحوم نے جو فرمایا کیا اس کی بنیاد پر ”تحت السرة“ کا اضافہ درست اور صحیح ہے؟ جس مطبوعہ نسخہ کا عکس انھوں نے شائع کیا۔ اس کی دو اشاعتوں میں یہ اضافہ بہر حال نہیں جیسا کہ پہلے ہم عرض کر آئے ہیں۔ اسی نسخہ کی تصویر میں یہ اضافہ جو کمپوز میں دوسرے حروف سے نمایاں ہے اور اپنے جعلی اور محرف ہونے کی چغلی کھا رہا ہے۔ کیا کتب حدیث میں سقط اور نقص کو دور کرنے کا کوئی ضابطہ ہے یا نہیں؟

المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی، الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع، الالماع - مقدمہ ابن الصلاح اور اصول حدیث کی دیگر کتب میں تصحیح والحاق کا کوئی قاعدہ نہیں؟ اگر ہے تو اسے نظر انداز کر کے بے لگام اس کا اضافہ تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟

”المصنف“ مولانا حبیب الرحمن عظمیٰ کی تحقیق و مراجعت سے مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی۔ انھوں نے مرفوع روایت جوں کی توں ”تحت السرة“ کے بغیر نقل کی، اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا اثر قوسین میں یوں نقل کیا:

[۳۹۰۷] حدثنا وكيع عن ربيع عن ابي معشر

عن ابراهيم قال: يصعب يمينة على شماله في

الصلاة تحت السرة -]

اسی اثر پر حاشیہ نمبر (۱) کے تحت انھوں نے لکھا ہے:

”سقط من الاصل الا آخره مدرجاً فيما فوقه،

واستدر كنه من ب والحيدر آبادية -“ [ص: ۳۵۱]

کہ یہ اثر اصل نسخہ میں ساقط ہے۔ مگر اس کا آخری حصہ (یعنی

”تحت السرة“) اوپر کی روایت میں مدرج ہے اور میں نے اس کا استدراک ب اور حیدر آبادی نسخہ سے کیا ہے۔ مولانا اعظمی مرحوم کے ان الفاظ اور اشارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ

①..... ان کے پاس بھی ”المصنف“ کا ویسا ہی نسخہ تھا جو شیخ مرتضیٰ زبیدی اور شیخ قاسم کے پاس تھا۔ جس میں حضرت ابراہیم نخعی کا اثر ساقط تھا، اور اس کا آخری حصہ ”تحت السرة“ مرفوع روایت کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ علامہ محمد حیات سندھی نے بھی ایسے نسخہ کی نشان دہی کی ہے۔

②..... مولانا اعظمی نے دونوں کی بنا پر ابراہیم نخعی کا اثر قوسین میں کیا۔ کیوں کہ جس نسخہ کو انھوں نے اصل اور بنیاد قرار دیا اس میں یہ اثر ساقط تھا۔

③..... مولانا اعظمی اصل نسخہ میں سقط کی بنا پر ذخیرہ احادیث اور ”مصادر دین“ کے بارے میں اس خدشہ کا شکار نہیں جس کی فکر مندی کا اظہار شیخ محمد عوامہ نے کیا ہے۔

④..... انھوں نے اصل نسخہ میں مرفوع روایت کے ساتھ ”تحت السرة“ کا لفظ ہونے کے باوجود اس پر اعتماد نہیں کیا جیسا کہ شیخ محمد عوامہ نے اس پر اعتماد کر کے مرفوع کے ساتھ اسے باقی رکھا ہے، اور اس کے ثبوت میں دو صفحات سیاہ کر ڈالے۔

⑤..... جس نسخہ پر مرفوع روایت میں شیخ محمد عوامہ نے اعتماد کیا۔ اس میں اثر نخعی ساقط ہونے میں وہ پھر ناقابل اعتماد ٹھہرتا ہے، اور دوسرے نسخہ ”ب“ سے جو خود ان کے نزدیک قابل اعتماد نہیں سے اثر نقل کرتے ہیں اور اس فرق کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اور یہ سارا کتب نہایت تحقیق اور دیانت داری سے مسلکی عصبيت کے بغیر کیا جا رہا ہے۔ سبحان الله

ہماری ان گزارشات سے اور مولانا اعظمی کے اسلوب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ادارۃ القرآن کے کارپردازوں نے بلا تنبیہ و اشارہ جو اضافہ کیا وہ بھی غلط اور امانت علمی کے منافی ہے اور

شیخ عوامہ کا دفاع ”عذر، عذر گناہ بدتر از گناہ“ کا مصداق ہے۔

گل دیگر شکفت

شیخ عوامہ ادارۃ القرآن کا دفاع ہی نہ کریں طیب اکادمی ملتان اور مکتبہ امدادیہ ملتان کی کارستانی کی بھی فکر کریں، جنھوں نے دارالفکر سے استاذ سعید اللحام کی تحقیق سے شائع ہونے والے المصنف کے نسخہ میں صریح دھاندلی کی اور بڑے دھڑلے سے اس میں ”تحت السرة“ کا اضافہ کر دیا۔ البتہ انھوں نے اسے توسین [] میں نقل کیا اور حاشیہ میں اضافہ کا سبب بھی ذکر کیا۔ جس کے بارے میں ہم ان شاء اللہ آئندہ عرض کریں گے۔

دارالفکر سے یہ نسخہ شائع ہوا تو مرفوع روایت میں ”تحت السرة“ کا اضافہ نہ تھا مگر طیب اکادمی اور مکتبہ امدادیہ ملتان نے اسی نسخہ کا عکس شائع کیا تو اس میں ”تحت السرة“ کا اضافہ کر دیا۔ انھوں نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ مکتبہ راشدیہ پیراف جھنڈا کے نسخہ سے ہاتھ باندھنے کے متعلقہ صفحہ کا عکس بھی ”تحت السرة“ کے اضافہ کے ساتھ شائع کر دیا۔ مکتبہ راشدیہ کا یہ نسخہ راقم نے ایک سے زائد بار دیکھا اور اس سے استفادہ کیا، اور اسی متعلقہ روایت کے حوالے سے دوبارہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جس میں مرفوع روایت کے ساتھ ”تحت السرة“ کے الفاظ قطعاً نہیں۔ یہی بات اس نسخہ کے حوالے سے محترم مولانا حافظ ثناء اللہ ضیاء صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں“ کے ص: ۷۷ پر حلفاً کہی کہ اس نسخہ میں مرفوع روایت کے ساتھ ”تحت السرة“ کے الفاظ بالکل نہیں ہیں۔ بلکہ انھوں نے حضرت سید محبت اللہ شاہ الراشدی نور اللہ مرقدہ کا وضاحتی بیان بھی ذکر کیا ہے کہ اس نسخہ میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بصارت عطا فرمائی ہے وہ آج بھی مکتبہ راشدیہ میں اس نسخہ کو دیکھ کر تشفی کر سکتا ہے۔ شیخ عوامہ بتلا کہ کیا یہ تحریف کی بدترین جسارت نہیں؟ اور کیا یہ سارے کرتب مذہبی حمیت میں روا نہیں رکھے جا رہے؟

مزید عرض ہے

شیخ محمد عوامہ نے فرمایا ہے کہ نسخہ ”ت“ پر کئی مقامات پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی ہیں۔ یہی نسخہ شیخ قاسم کے پیش نظر تھا، اور انھوں نے ”التصریف والاخبار“ میں ”تحت السرة“ کے الفاظ سے یہ حدیث نقل کی ہے اور یہی نسخہ شیخ محمد مرتضیٰ زبیدی صاحب التاج کے پاس تھا۔ بلکہ جب وہ احیاء العلوم کی شرح لکھ رہے تھے تب بھی یہ نسخہ ان کے پیش نظر تھا اور اس نسخہ سے وہ آثار وغیرہ نقل کرتے ہیں بلکہ اس شرح کی (ج: ۳، ص: ۲۷۰) میں اس نسخہ کے ناخ اور تاریخ نسخ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمہ کتاب (ص: ۲۹) میں انھوں نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

①..... مگر قابل غور بلکہ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ علامہ مرتضیٰ الزبیدی اسی احیاء العلوم کی شرح ”اتحاف السادة المتقين“ کی اسی تیسری جلد میں ہاتھ باندھنے سے متعلقہ بحث کے ضمن میں حنفی مسلک کی دلیل حضرت علی کی معروف روایت مسند احمد اور دارقطنی وغیرہ سے تو ذکر کرتے ہیں مگر ”المصنف“ کی یہ ”صحیح“ اور ”جید سند“ سے منقول ”روایت“ ذکر کیوں نہیں کرتے؟ ان کے الفاظ ہیں:

”دلیل ابی حنیفہ مارواہ احمد والدارقطنی والبیہقی عن علی - [اتحاف السادة، ج: ۳، ص: ۳۷]

یہی نہیں بلکہ مسلک حنفی کی تائید میں انھوں نے ”عقود الجواہر المنیفة“ کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں بھی انھوں نے ”المصنف“ کی یہ روایت ذکر نہیں کی۔ آخر کیوں؟ ظاہر ہے کہ اگر ان کے نزدیک یہ روایت اسی طرح درست اور قابل اعتماد ہوتی تو اس کا ذکر کرتے، یہ اس بات کا قرینہ قویہ ہے کہ ”المصنف“ کے نسخہ میں اس روایت کے نقل میں وہ مطمئن نہ تھے۔ علامہ قاسم کا اسی نسخہ سے روایت نقل کرنا تو قابل اعتماد ٹھہرے مگر علامہ الزبیدی کا اسے نظر انداز کر دینا اس کے ناقابل اعتماد ہونے کی دلیل کیوں نہیں؟

②..... بلکہ علامہ یعنی جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس نسخہ میں کئی مقامات پر ان کے حواشی ہیں۔ انھوں نے بھی صحیح بخاری کی شرح ”عمدة القاری“ میں اور ہدایہ کی شرح ”البنایہ“ میں اس روایت کو ذکر نہیں کیا۔ وہ حضرت علی کی ضعیف روایت کے دفاع کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن کیا وجہ ہے ”المصنف“ کی ”سند جید“ سے اس روایت کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔ کیا یہ قرینہ نہیں کہ علامہ یعنی بھی اس سند اور متن پر مطمئن نہیں تھے؟

③..... علامہ ابن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ نے التمهید [ج: ۲۰، ص: ۷۴، ۷۵] میں نماز میں ہاتھ باندھنے کے مسئلہ کے بارے میں ”المصنف“ سے متعدد آثار نقل کیے ہیں اور [ج: ۲۰، ص: ۷۵] پر اجمالاً ذکر کیا ہے کہ ابراہیم نخعی اور ابو جحز ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل تھے، اور کہ علم نہیں کہ ان دونوں کے یہ آثار ”المصنف“ میں موجود ہیں۔ بلکہ علامہ ابن عبد البر نے ابراہیم نخعی کے اثر کے بارے میں ”لا یثبت“ کہہ کر اس کے ضعف کا اشارہ بھی کر دیا ہے۔ اگر حضرت وائل کی روایت میں بھی ”تحت السرة“ کے لفظ ہوتے تو انھیں بھی وہ ذکر کرتے۔ اسے ذکر نہ کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ”المصنف“ میں یہ اضافہ غلط اور بے بنیاد ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ کسی مسئلہ پر کسی دلیل کا ذکر نہ کرنا اور کسی مسئلہ میں کتاب کے متعلق باب میں سے متعدد آثار نقل کرنا اور ”قابل اعتبار سند“ سے مذکورہ روایت کو ذکر نہ کرنے میں فرق بالکل واضح ہے۔ علامہ زلیعی، حافظ ابن حجر، علامہ ابن الملقن، علامہ ابن ہمام وغیرہ متاخرین میں سے بھی کسی نے اس روایت کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے بارے میں ممکن ہے کہ کہا جائے کہ انھوں نے ”المصنف“ کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ اس باب کے آثار کو بھی المصنف کے حوالے سے ذکر کیا۔ لیکن علامہ ابن عبد البر کے بارے میں اس کا قطعاً امکان نہیں۔

④..... شیخ محمد عوامہ روایات کی تخریج اور اس کے طرق کی

نشان دہی کرتے ہیں۔ اسی باب ”وضع الیمین علی الشمال“ کی روایات کی بھی بالعموم انھوں نے تخریج کی ہے مگر اس روایت کی تخریج کیوں نہیں؟

انھوں نے ساری توجہ بلکہ پوری قوت ”تحت السرة“ کے اضافہ کے صحیح ہونے میں تو صرف کردی مگر اس کی تخریج کے حوالے سے خاموشی اختیار کی، آخر کیوں؟ کیا ”کعب عن موسیٰ بن عمیر عن علقمہ عن ابیہ“ کی اس سند سے اس موضوع کی کہیں کوئی روایت نہیں تھی کہ اس بارے میں انھوں نے چپ سادہ لی ہے۔ اگر تھی، تو اس سے خاموشی اور بے اعتنائی کیا اس خطرہ کی بنا پر نہیں کہ اس سے تو اس زیادت کا بھرم کھل جائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ”الرقیب العلیم بالنیات“ ہیں جیسا کہ انھوں نے اس روایت پر بحث کے اختتام پر لکھا ہے مگر اسلوب سے ہٹ کر اس کی تخریج سے خاموشی اس بات کی چغلی نہیں کھا رہی کہ یہاں معاملہ رکھ رکھاؤ اور صفاتی ہے۔ بصورت دیگر یہ ساری کارروائی طفل تسلی قرار پائے گی اور مسلکی حمیت کا شاخسانہ ٹھہرے گی۔

ہم عرض کرتے ہیں امام وکیع کی اس سند سے یہ روایت مسند امام احمد [ج: ۴، ص: ۳۱۶]، سنن دار قطنی [ج: ۱، ص: ۲۸۶] اور شرح السنة للبلغوی [ج: ۳، ص: ۳۰] میں ”تحت السرة“ کے بغیر ہے۔ امام وکیع کے معاصر امام عبد اللہ بن مبارک نے بھی یہ روایت موسیٰ بن عمیر سے اس زیادت کے بغیر بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہونسائی [ج: ۱، ص: ۱۰۵] السنن الكبرى له ایضاً التمهید [ج: ۲۰، ص: ۷۲]، امام وکیع کے تیسرے معاصر امام ابو نعیم رحمہ اللہ فضل بن دکین بھی اسے بغیر زیادت کے روایت کرتے ہیں ملاحظہ ہو: التمهید [ج: ۲۰، ص: ۷۲]، السنن الكبرى للبيهقي [ج: ۲، ص: ۲۸]، المعجم الكبير للطبرانی [ج: ۲۲، ص: ۹]، تهذيب الكمال للمزي [ج: ۱۱، ص: ۴۹۹] ترجمہ موسیٰ بن عمیر۔

[حاشیہ فیض الباری، ج: ۲، ص: ۲۶۷]

”علامہ ظہیر احسن نیوی رحمہ اللہ اس کی توثیق پر راضی نہیں، وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ زیادت معلول ہے۔“

ظاہر ہے کہ امام وکیع اور ان کے دوسرے معاصرین کی روایات ذخیرہ کتب احادیث میں موجود ہیں اور ان میں ”نحت السرة“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ المصنف کے کئی نسخوں میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے اب یہ علم و دیانت کی کون سی معراج ہے کہ ”نا قابل اعتماد“ اور ”غلط نسخوں“ کی بنا پر اسے صحیح قرار دیا جائے۔ یاد رہے کہ شیخ عابد کے نسخہ کو ”نا قابل اعتماد“ شیخ عوامہ قرار دے چکے اور دوسرے نسخہ میں ابراہیم نخعی کے اثر کا ساقط ہونا بھی انھوں نے تسلیم کیا۔ جیسا کہ پہلے ضروری وضاحت گزر چکی ہے۔

رہی علامہ نیوی کی یہ بات کہ المصنف کے ”اکثر“ نسخوں میں یہ زیادت پائی جاتی ہے۔ تو یہ بات دراصل انھوں نے پہلے علامہ قائم سندھی کے رسالہ فوز الکرام کے حوالے سے نقل کی ہے، اور اسی تناظر میں انھوں نے اکثر نسخوں میں اس کے وجود کا ذکر کیا ہے۔ خود انھوں نے کسی نسخہ کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ ”الدرة النضرة“ میں مکتبہ محمودیہ کا نام انھوں نے لیا ہے کہ اس کے نسخہ میں یہ زیادت موجود ہے۔ اور یہ وہی نسخہ ہے جسے شیخ عوامہ ”لا للاعتماد علیہا“ کہہ کر نا قابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔

فوز الکرام کا نسخہ پیر جھنڈا کے مکتبہ میں راقم کی نظر سے گزرا ہے، اور اس کی ایک نقل راقم کے پاس بھد اللہ موجود ہے۔ اس کے حوالے سے علامہ نیوی نے جو نقل کیا وہ عبارت اس وقت بھی پیش نظر ہے۔ جس میں شیخ قائم نے شیخ عبدالقادر مفتی مکہ مکرمہ کے نسخہ اور شیخ قاسم کا ”النصریہ والاخبار بتخریج احادیث الاختیار“ میں اس روایت کو نقل کرنے کا ذکر ہے۔ اب بتلایے کہ یہ دو نسخے ”اکثر نسخے“ کیوں کر بن گئے۔ ان دونوں نسخوں کے حوالے سے بھی یہ بات پہلے گزر چکی ہے اور شیخ قاسم کا نسخہ ہی ناقص

یہی وجہ ہے کہ حنفی مسلک کے معروف وکیل علامہ نیوی نے التعلیق الحسن میں اس اضافہ کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ چنانچہ پہلے انھوں نے اس کے بارے میں حافظ قاسم بن قطلوبغا، علامہ ابوالطیب المدنی اور شیخ عابد سندھی کے حوالے سے لکھا ہے انھوں نے اسے سند جید، رجال ثقافت قرار دیا ہے۔ پھر علامہ محمد حیات سندھی کا موقف بیان کیا ہے کہ یہ زیادت کاتب کی غلطی کا کرشمہ ہے اس کے بعد اس کے جواب میں علامہ قائم سندھی کی فوز الکرام سے علامہ حیات سندھی کی تردید نقل کی ہے کہ یہ زیادت صحیح ہے۔ یہ ساری تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”الانصاف ان هذه الزيادة وان كانت صحيحة لوجودها في اكثر النسخ من المصنف لكنها مخالفة لروايات الثقات فكانت غير محفوظة“

[التعلیق الحسن، ص: ۷۱ ط ملتان]

انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ زیادت اگرچہ ”المصنف“ کے اکثر نسخوں میں ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔ لیکن یہ زیادت ثقافت کی روایات کے مخالف ہے اس لیے غیر محفوظ ہے۔ ”اکثر نسخوں“ کی بات تو ان شاء اللہ ہم بعد میں کریں گے۔ یہاں ہمیں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ علامہ نیوی اس زیادت کو غیر محفوظ قرار دیتے ہیں اور وہ علامہ قاسم وغیرہ کے ہمنوا نہیں ہیں کہ اسے بطور استدلال پیش کیا جائے۔

بلکہ مولانا بدر عالم نے فیض الباری کے حاشیہ میں علامہ نیوی کا یہی موقف ان کی ایک دوسری کتاب ”الدرة النضرة في وضع الیدین تحت السرة“ سے نقل کیا ہے کہ علامہ موصوف شیخ قاسم اور شیخ عابد سندھی اور علامہ ابوالطیب المدنی کے موقف کے برعکس اس روایت کی توثیق پر مطمئن نہیں ان کے الفاظ ہیں:

لم يرتض به العلامة ظهير احسن رحمه الله تعالى وذهب إلى ان ”تلك الزيادة معلولة“

هذه الزيادة وأين توجد هذه النسخة، فعلى هذا سقطت هذه الطبعة من الاعتماد عليها بل حتى جميع مطبوعات هذه الدار يجب ألا يعتمد عليها، فماذا بعد الكذب على النبي صلى الله عليه وسلم - [مقدمه المصنف، ج: ١، ص: ٥٥ الفصل الثاني]

”یہ حدیث المصنف کے تین نسخوں [ج: ١، ص: ٣٩٠] میں اس زیادت کے بغیر ہے۔ ناشر ادارۃ القرآن نے اس نسخہ کی نشان دہی نہیں کی جس میں یہ زیادتی ہے اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ یہ نسخہ کہاں ہے۔ اس بنا پر ادارۃ القرآن کے شائع کردہ نسخہ پر اعتماد نہیں رہا بلکہ اس کی تمام مطبوعات قابل اعتماد نہیں رہیں۔ جو نبی ﷺ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے اس پر کیا امید ہو سکتی ہے۔“

تین مطبوعہ نسخوں اور آٹھ خطی نسخوں کے برعکس ادارۃ القرآن کی جسارت پر جو صدائے احتجاج ان حضرات نے بلند کی ہے بھلا اس کے بعد بھی کہا جاسکتا ہے کہ اکثر نسخوں میں یہ زیادت موجود ہے۔ کلائم کلا

⑤..... علامہ علاء الدین ابن الترمکانی (التوفی: ٢٥٥ ھ یا ٢٣٩ ھ) نے ”الجوہر النقی“ میں امام بیہقی پر تعاقب کے ساتھ ساتھ حنفی مسلک کی جو کالت کی ہے اہل علم اس کی حیثیت سے باخبر ہیں۔ نماز میں ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں بھی انھوں نے اپنے مسلک کا دفاع کیا اور اسی ضمن میں امام بیہقی کے موقف کے برعکس مصنف ابن ابی شیبہ سے ابو مجلز کا اثر ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے بارے میں بالاسناد نقل کرتے ہیں۔ [الجوہر النقی، ج: ٢، ص: ٣١] انصاف شرط ہے کہ اگر المصنف میں حضرت وائل کی روایت میں ”تحت السرة“ کے الفاظ ہوتے تو وہ انھیں ذکر نہ کرتے؟ امام بیہقی نے حضرت وائل کی روایت موسیٰ بن عمیر کی سند سے بھی ذکر کی ہے جس

ہے۔ اس پر اعتماد چہ معنی دارد؟ اس کے برعکس علامہ انور شاہ کشمیری مرحوم علامہ حیات سندھی کا موقف بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”ولا عجب ان یکون كذلك فانی راجعت ثلاث نسخ للمصنف فما وجدته فی واحدة منها“

[فیض الباری، ج: ٢، ص: ٢٦٧]

یعنی کوئی تعجب نہیں کہ بات اسی طرح ہو جیسے علامہ حیات سندھی نے کہی ہے۔ خود میں نے المصنف کے تین نسخے دیکھے ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی میں نے اس (تحت السرة) کو نہیں پایا۔ علامہ کشمیری نے ان تین نسخوں کی وضاحت نہیں کی کہ وہ کن ملکبات میں تھے۔ لیکن دو کے مقابلے میں یہ بہر حال تین ہیں، اور شیخ عوامہ نے المصنف [ج: ٣، ص: ٣٢١] کے حاشیہ میں تسلیم کیا ہے کہ چار نسخوں میں یہ زیادت نہیں ہے۔

مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے بھی انہی نسخوں پر اعتماد کیا محرف نسخہ پر نہیں۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ١٩٨٩ء میں شیخ کمال یوسف کی مراجعت سے دارالتاج بیروت سے جو المصنف کا نسخہ شائع ہوا ہے اس میں بھی ”تحت السرة“ کا اضافہ نہیں ہے۔ استاذ سعید اللحام کی تحقیق سے جو نسخہ شائع ہوا اس میں بھی یہ اضافہ نہیں۔ مگر بعد میں طیب اکادمی ملتان نے اس میں اضافہ کر دیا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ شیخ محمد بن عبد اللہ اور شیخ محمد بن ابراہیم کی تحقیق سے ”المصنف“ کی ایک جلد شائع ہوئی۔ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ مکمل شائع ہوا ہے یا نہیں۔ اس نسخہ کو انھوں نے آٹھ قلمی نسخوں اور تین مطبوعہ نسخوں کے تقابل سے شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں انھوں نے ادارۃ القرآن کی طرف سے محرف نسخہ کا بھی ذکر کیا۔ لکھتے ہیں:

”هذا الحديث يوجد فی الطباعات الثلاث من

المصنف [ج: ١، ص: ٣٩٠] بدون هذه الزيادة

ولم يعثر ناشرها الى النسخة التي وجدت فيها

میں ”تحت السرة“ نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اور مؤمل بن اسماعیل عن الثوری عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل کی سند سے ”علی صدرہ“ کے الفاظ بھی ذکر کیے ہیں۔ علامہ ماردینی پہلی روایت پر بالکل خاموش ہیں اور دوسری پر مؤمل کی بنا پر جرح کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں المصنف میں ”سندجید“ سے ”تحت السرة“ کی روایت ہوتی تو وہ بھی یقیناً ذکر کرتے۔ ان کی یہ خاموشی بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ ”المصنف“ کے کسی قابل اعتماد نسخہ میں ۷۲۵ھ تک ”تحت السرة“ کے الفاظ نہیں ہے۔

ہماری ان گزارشات سے نصف النہار کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ”المصنف“ میں ”تحت السرة“ کا اضافہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قطعاً صحیح نہیں، اور شیخ محمد عوامہ نے چار نسخوں کے مقابلے میں جن دو نسخوں کی بنیاد پر یہ اضافہ کیا اور اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی، ان کے اپنے مسلمات کی روشنی میں درست نہیں۔ قدیم اور صحیح نسخوں کو نظر انداز کر کے ناقابل اعتماد اور غلط نسخہ پر اس کی بنیاد محض مسلکی حمیت کا شاخسانہ ہے، یہ کوئی علم کی خدمت نہیں۔ پھر ادارۃ القرآن کراچی کے تحت طبع ہونے والے محرف نسخہ کا جو دفاع کیا وہ بھی ان کی علمی ثقافت و دیانت کے منافی ہے۔ ان سے تو کسی قدر طبیب اکادمی اور مکتبہ امدادیہ ملتان والے ہی بہتر نکلے کہ انھوں نے دارالفکر سے طبع ہونے والے نسخہ کو جب شائع کیا تو اس میں ”تحت السرة“ کا اضافہ کیا مگر یہ اضافہ بریکٹ میں [تحت السرة] کیا۔ مگر اس کے حاشیہ میں جو انھوں نے لکھا وہ ان کے تعصب بلکہ ان کی بے خبری کا منہ بولتا ثبوت ہے، لکھتے ہیں:

”تحت السرة، هذه الفاظ موجودة في بعض

نسخ المصنف وزيادة الثقة معتبرة، ولم ينكرها

احد الا محمد حيات السندهى المتوفى ۱۱۶۸

الذى كان تلميذا لمحمد معين تنوى الشيعى الخ

”کہ ”تحت السرة“ کے الفاظ ”المصنف“ کے بعض نسخوں میں ہیں اور ثقہ کی زیادت معتبر ہوتی ہے۔ اس کا انکار سوائے محمد حیات سندھی (المتوفی: ۱۱۶۵ھ) کے کسی اور نے نہیں کیا جو محمد معین ٹھٹھوی شیعہ کے شاگرد تھے۔“ لیجیے یہ ہے بنیاد اس اضافے کی۔

اولاً: تو انھوں نے خود کسی نسخہ کا حوالہ نہیں دیا۔ اس کے ثبوت کا مدار صرف علامہ محمد ہاشم سندھی کی ”درہم الصرة“ پر ہے جیسا کہ حاشیہ میں انھوں نے لکھا بلکہ اس جلد کے آخر میں یہ رسالہ بھی شائع کر دیا۔ اس رسالہ میں جو بنیاد شیخ محمد ہاشم نے ذکر کی اس کی حقیقت ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

ثانیاً: محشی کی علمی پختگی پر یہ جملہ ہی دال ہے ”وزیادة الثقة معتبرة“ جناب من! یہ زیادت ثقہ نہیں ثبوت نسخہ کا مسئلہ ہے۔

ثالثاً: کہا گیا کہ اس کا انکار سوائے علامہ محمد حیات سندھی کے اور کسی نے نہیں کیا۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ علامہ نبوی اور علامہ کشمیری نے بھی اس زیادت کو ”غیر محفوظ“ اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کا انکار مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے بھی کیا جیسا کہ پہلے ہم نقل کر آئے ہیں۔ پھر محشی کو شاید علم نہیں کہ شیخ محمد ہاشم کا رسالہ ”درہم الصرة فی وضع الیدین تحت السرة“ دراصل شیخ ابوالحسن السندھی محشی صحیح بخاری وغیرہ کے رد میں ہے، اور شیخ محمد حیات سندھی کا رسالہ ”درة فی اظہار غش نقد الصرة“ کے سرورق لکھا ہے کہ انھوں نے یہ رسالہ اپنے شیخ ابوالحسن کے مشورہ اور تعاون سے لکھا ہے، اور اسی رسالہ میں بھی انھوں نے ”المصنف“ کے نسخہ میں اس اضافہ کو کاتب کی غلطی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے نقل کر آئے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ”تحت السرة“ کے اضافہ کا انکار صرف علامہ محمد حیات سندھی ہی نے نہیں کیا ان کے شیخ ابوالحسن سندھی نے بھی کیا ہے۔ مزید برآں عرض ہے کہ درہم الصرة کا جواب شیخ پیر سید رشد اللہ شاہ پیر آف جھنڈا صاحب العلم

ہے مگر یہ بھی غلط ہے ان کی وفات ۱۱۶۳ھ میں ہوئی جیسا کہ سید عبدالحی نے ذکر کیا ہے۔ ”سنۃ ثلاث وستین ومائة والـف“ اس وضاحت سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ”تحت السـرة“ کا اضافہ کرنے والے کس قدر حق وانصاف کے پاسدار ہیں۔ جن کے تعصب کا یہ عالم ہو وہ اگر اسے صحیح قرار دیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔



ضرورت رشتہ

لڑکی عمر ۲۲ سال، تعلیمی قابلیت بی۔ اے کے لیے ترجیحاً دینی رجحان والے برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

[رابطہ: ٹیلی فون لاہور: 7149937]

الرابع نے ”درج الدرر فی وضع الایدی علی الصدر“ میں دیا ہے۔ جس کے کلمہ افتتاحیہ میں انھوں نے لکھا ہے:

”فهذا تعلیق انیق وتحقیق عمیق ابدیتہ لاظہار ما فی الرسالة المسملۃ بدرہم الصرة فی وضع

الیدین تحت السـرة من الغش الموجب للعار“

اس لیے یہ کہنا کہ اس اضافہ کا انکار شیخ محمد حیات کے علاوہ کسی اور نے نہیں کیا، قطعاً غلط اور محشی کی بے خبری کی دلیل ہے۔

رابعاً: محشی کے تعصب کا اندازہ کیجیے کہ وہ شیخ محمد ہاشم کا ذکر خیر تو ”الشیخ محمد ہاشم السندی“ کے الفاظ سے کرتا ہے مگر شیخ محمد حیات کے بارے میں صرف ”محمد حیات“ لکھتا ہے۔

خامساً: اس کے تعصب کی آگ اسی پر سر نہیں ہوئی بلکہ ”محمد حیات“ کے تعارف میں مزید لکھتا ہے: ”وہ محمد معین ٹھٹھوی شیعہ کا شاگرد تھا۔“ محمد معین السندھی کون تھے اور کیسے تھے؟ ہم اس بحث میں جانا نہیں چاہتے۔ اگر وہ شیعہ تھے اور علامہ محمد حیات کا ان سے تلمذ جرم ہے تو جابر بن یزید جعفی جیسے رافضی سے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا تلمذ چہ معنی دارد؟ ادھر محمد معین کے تلمذ کا الٹا اثر شیخ محمد حیات پر یہ ہوا کہ ”ابطال الضرائح“ لکھ کر انھوں نے قبور بین اور شیعوں کا رد کیا۔ پھر شیخ سندھی نے علامہ ابوالحسن السندھی المدنی سے حدیث کا درس لیا اور ان کی وفات کے بعد انہی کی مسند کے امین بنے، اور ۲۴ سال تک حرم نبوی میں ان کی مسند پر درس حدیث دیا۔ ان کے علاوہ شیخ عبد اللہ سالم المکی، الشیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی اور شیخ حسن بن علی العجمی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ مگر محشی کو اپنے جنبش باطن کی بنا پر یہ مشائخ نظر نہیں آتے۔ مولانا سید عبدالحی لکھنوی انھیں ان القاب سے یاد کرتے ہیں:

”الشیخ الامام العالم الکبیر المحدث محمد

حیات۔“ [نزہۃ الخواطر، ج: ۶، ص: ۳۰۱]

سادساً: محشی نے شیخ محمد حیات کی وفات ۱۱۶۸ھ میں ذکر کی

قبروں کو پختہ بنانے اور ان پر عمارات تعمیر کرنے کی شرعی حیثیت

حافظ محمد شہباز (لیکچرریوای ٹی)

ہے۔“ [جامع ترمذی، جلد: ۱، ص: ۱۲۵]
ایک حدیث میں ”تقصیص“ کے الفاظ آئے ہیں، حضرت
جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

”نہی عن تقصیص القبور۔“

[صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل ایضاً]
ابو بکر فرماتے ہیں کہ انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے
سنا ہے:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهَى أَنْ يُقْعَدَ عَلَى الْقَبْرِ وَأَنْ
يُقَصَّصَ وَيُبْنَى عَلَيْهِ [سنن ابوداؤد، جلد: ۲، ص:

۱۰۴۔ مسند احمد، ج: ۳، ص: ۲۹۵]

قبر خواہ کچی ہی کیوں نہ ہو اس کو بھی (ایک بالشت سے) اونچا
بنانے کی ممانعت ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
سنا ہے:

» نَهَى أَنْ يُقْعَدَ عَلَى الْقَبْرِ وَأَنْ يُجَصَّصَ وَأَنْ يُبْنَى
عَلَيْهِ وَأَنْ يُزَادَ عَلَيْهِ « [سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز،
باب فی البناء علی القبر]

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھنے، پختہ بنانے، اس پر کوئی عمارت
بنانے اور اس پر مزید اضافہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔“
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قبروں پر مٹی وغیرہ ڈال

ہر انسان فوت ہونے کے بعد قبر میں منتقل ہوتا ہے۔ اسلام
نے جہاں انسان کو پیش آمدہ حالات کے بارے میں تفصیلات بیان
کی ہیں وہاں اس کے دارفانی سے رخصت ہونے کے بعد اس کی قبر
بنانے کے بارے میں بھی رہنمائی کی ہے جس کی تفصیلات کتب
حدیث میں درج ہیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب افراط و تفریط کا
شکار ہیں۔ شریعت اسلامیہ نے اس بارے میں صحیح اور کامل تعلیم دی
ہے، اس کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

پختہ اور اونچی قبریں اور ان پر تعمیرات

اسلام کی قبریں بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ جیسا کہ بہت
سے فرامین نبویہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہتے ہیں:

((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ))

[صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی النهی عن

تجصیص القبور والقعود والبناء علیہا]

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے کہ قبر کو
پختہ بنایا جائے۔“

جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کردہ ایک اور حدیث میں ہے:

((نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ تَجْصِيسِ الْقُبُورِ))

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا

کر انھیں اونچا کر دیتے ہیں وہ درست نہیں کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اور اگر مٹی ڈالنے کے لیے کچھ دنوں کو خاص کر لیا جائے تو اور بھی برا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے کوئی بھی سندا نازل نہیں کی، جیسا کہ شریعت سے ناواقف لوگ محرم الحرام میں دھڑا دھڑا قبروں پر مٹی ڈال رہے ہوتے ہیں اور ان کی ”لیپا پوتی“ میں سرگرم دکھائی دیتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے فرامین کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قبریں کچی بنایا کرتے تھے حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی اکرم ﷺ کی تربت مبارک بھی کچی اور کوہان نما بنائی تھی۔ سفیان التمار بیان کرتے ہیں:

أَنَّهُ رَأَى قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ مُسْنَمًا - [صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما]

”انہوں نے نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک دیکھی ہے جو کوہان نما تھی۔“

عامر بن سعد اپنے والد کے بارے میں کہتے ہیں:

ان سعد بن ابی وقاص قال فی مرضه الذی هلك فيه: ”أَلْحِدُوا لِي لَحْدًا وَانْصِبُوا عَلَيَّ اللَّبْنَ نَضْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ“ - [صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی استحباب اللحد]

”سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں وصیت کی: میرے لیے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں لگانا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی لحد مبارک میں کیا گیا تھا۔“

نوٹ: اگر قبر قبلہ کی جانب جگہ کھودی جائے تو اسے لحد کہتے ہیں اور اگر درمیان میں کھودی جائے تو وہ شق ہے۔ شرعاً دونوں طرح کی قبر بنانا جائز ہے لیکن لحد بہتر ہے کیوں کہ اجماع صحابہ کے بعد اس

طرح کی قبر کو نبی اکرم ﷺ کے لیے پسند کیا گیا۔ اینٹیں کھڑی کر کے لگائی جانی چاہئیں، آنحضرت ﷺ کی قبر پر نو اینٹیں لگائی گئی تھیں۔ لہذا یہی بہتر ہے۔ [حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح از شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی، باب دفن المیت، الفصل الاول، شرح نووی]

ائمہ دین کے فتاویٰ

ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں ائمہ دین نے قبروں کو پختہ اور اونچا بنانے سے منع کیا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا:

أَرَأَيْتَ الْقَبْرَ هَلْ تَكْرَهُ أَنْ يُجَصَّصَ؟ قَالَ: نَعَمْ -

[درمختار، جلد: ۱، ص: ۴۶۸]

”کیا پختہ قبریں بنانا مکروہ ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔“ واضح رہے کہ فقہاء کی اصطلاح میں لفظ ”مکروہ“ حرام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ [درمختار، ج: ۱، ص: ۶۳۹، ہدایہ، ج: ۲، ص: ۱۱۴، طبع کوئٹہ، بحر الرائق، ج: ۲، ص: ۱۹، طبع کوئٹہ]

علامہ قاضی خان فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

لَا يُجَصَّصُ الْقَبْرُ وَلَا يُطَيَّنُ وَلَا يُرْفَعُ عَلَيْهِ الْبِنَاءُ ”قبر کو پختہ نہ کیا جائے، نہ اس کی لپائی کی جائے اور نہ اس پر عمارت ہی بنائی جائے۔“ [فتاویٰ قاضی خاں، ج: ۱، ص: ۹۲]

امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قبر پر وہی مٹی ڈالی جائے جو اس میں سے نکلے اور اس کو پختہ بنانا، لپائی کرنا، اس کے پاس مسجد بنانا، یا نشان بنانا یا اس پر کچھ لکھنا مکروہ ہے۔ چکی اینٹ سے قبر بنانا یا اس کو قبر میں داخل کرنا مکروہ ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔

[کتاب الآثار، از امام محمد رحمہ اللہ، ترجمہ: سعید سزنی، صفحہ: ۲۲]

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: يُكْرَهُ الْأَجْرُ وَالْخَشْبُ

لَا تَنْهَمَا لِأَحْكَامِ الْبِنَاءِ وَالْقَبْرِ مَوْضِعُ الْبَلَى ثُمَّ
بِالْأَجْرِ أَثَرُ النَّارِ - [هدایہ، ج: ۱، ص: ۱۸۳]
”قبر پر پختہ اینٹوں اور لکڑی کا استعمال مکروہ ہے، اس لیے کہ
یہ اشیاء عمارت کی پائیداری اور پختگی کے لیے ہیں اور قبر تو
بوسیدہ اور ویران مقام ہے اور پھر پختہ اینٹ میں آگ کا اثر
بھی ہوتا ہے۔“

صاحب شرح وقایہ کہتے ہیں: ”قبر پر پختہ اینٹ اور
لکڑی استعمال کرنا مکروہ ہے۔“ [شرح وقایہ، ج: ۱، ص: ۲۵۷]
صاحب قدوری کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ [قدوری، ص: ۴۲]
مندرجہ بالا فتاویٰ جات سے جہاں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ
پکی قبر بنانا حرام ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قبر پر ہر اس چیز کا
استعمال ناجائز ہے جس پر آگ کا اثر ہوا ہو۔ لہذا قبروں پر گارڈر،
سریا، ٹی آئرن وغیرہ، لوہے کی بنی ہوئی ہر چیز کا استعمال حرام اور
اسراف و تبذیر ہے۔ بلکہ مذکورہ فتاویٰ جات کی روشنی میں قبروں کے
اوپر لکڑی کا استعمال بھی جائز نہیں۔ درحقیقت ٹوٹی پھوٹی، کچی اور
ویران قبریں ہی باعث عبرت ہو سکتی ہیں اور تذکیر آخرت کا سامان
فراہم کر سکتی ہیں۔

قبروں کو پختہ اور اونچا بنانے کے بارے میں فتاویٰ عالمگیری کا
بیان بھی ملاحظہ فرمائیں:

يُسْنَمُ الْقَبْرُ قَدْرَ الشَّيْبِ وَلَا يُرْفَعُ وَلَا يُجَصِّصُ -

[ج: ۱، ص: ۱۳۳]

”قبر کو کوہان نما بنایا جائے اور ایک بالشت سے زیادہ اونچا نہ
کیا جائے اور اس کو پختہ بھی نہ بنایا جائے۔“

صاحب کنز الدقائق فرماتے ہیں: لَا يُرْبَعُ وَلَا يُجَصِّصُ
”قبر کو چورس اور پختہ نہ بنایا جائے۔“

[کنز الدقائق، ص: ۵۳]

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يُجَصِّصُ وَلَا
يُسْنَى عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لِلْأَحْكَامِ وَالزَّيْنَةِ ”قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اور
نہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے کیوں کہ یہ تو پختگی اور زیب و زینت
کے لیے ہے۔“ [رمز الحقائق، شرح کنز الدقائق، ص: ۶۷]

ملا علی قاری حنفی حدیث ”مُكَلِّ بِذَعَةِ ضَلَالَةٍ“ (ہر
بدعت گراہی ہے) کی مثال بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

كَالْبِنَاءِ عَلَى الْقُبُورِ وَتَجْصِصِهَا ”جیسے قبروں پر عمارت بنانا
اور ان کو پختہ کرنا۔“ [مرقاۃ، شرح مشکوٰۃ، ج: ۱، ص: ۲۴۶]

پیر عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قبر کو پختہ بنانا
مکروہ ہے، وہ فرماتے ہیں: ”قبر کو صرف ایک بالشت اونچا کیا جائے
اور پختہ کرنا مکروہ ہے۔“ [غنیۃ الطالبین مترجم، ج: ۲، ص: ۳۲۹]

باب دفن المیت، طبع نفیس اکیڈمی کراچی

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَكْرَهُ تَجْصِصَ الْقُبُورِ وَالْبِنَاءِ عَلَيْهَا وَهَذِهِ
الْحِجَارَةُ الَّتِي يُبْنَى عَلَيْهَا - [المدونة الكبرى]

ج: ۱، باب تجصيص القبور

”میں قبروں کو چونا گچ کرنے، ان پر کسی قسم کی عمارت بنانے
اور ان پر پتھر وغیرہ رکھنے کو نا پسند کرتا ہوں۔“

امام شافعی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: لَمْ أَرْ قُبُورَ
الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ مُجَصَّصَةً ”میں نے مہاجرین اور
انصار کی قبور کو پختہ نہیں دیکھا۔“ [کتاب الام، ج: ۱، ص: ۲۷۷]

امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”قبروں پر گنبد بنانا، انھیں پختہ
کرنا اور لپائی کرنا مکروہ، بدعت اور خلاف سنت ہے اور چراغاں کرنا
باعث لعنت فعل ہے۔“ [زاد المعاد، ج: ۱]

قبروں پر قبے، بلڈنگ اور کسپلیکس وغیرہ کی تعمیر

قبر پر عمارت، دروازہ اور گنبد وغیرہ بنانا از روئے شریعت منع

ہے جیسا کہ حضرت جابر کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

«نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُورُ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا وَأَنْ يُنَى عَلَيْهَا وَأَنْ تُوَطَّأَ»

[ابوداؤد: ۱۰۵۲]

”رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر لکھنے، ان پر عمارت بنانے اور ان پر چڑھنے سے منع فرمایا ہے۔“

سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ يُبْنَى عَلَى الْقَبْرِ» [سنن

ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی النهی عن البناء علی

القبور، رقم: ۱۵۶۴]

”نبی ﷺ نے قبر پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے۔“

مذکورہ بالا احادیث نبویہ سے معلوم ہوا کہ قبور پر قائم شدہ عمارات، دروازے (خواہ لکڑی، لوہے یا ایلمینیم کے ہوں) قبے اور کمپلیکس وغیرہ ناجائز اور حرام ہیں چنانچہ ان کو کارثواب سمجھا جائے۔

ملحوظہ: بعض نادان جو شریعت اسلامیہ کا صحیح علم نہیں

رکھتے، پاکستان میں بابا فرید کی قبر کے ایک دروازے کو ”بہشتی دروازہ“

قرار دیتے ہیں۔ جس دروازے کا بنایا جانا ہی شریعت مطہرہ میں

ناجائز ہو اس کو بھلا ”باب جنت“ کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے؟

ائمہ احناف کے فتاویٰ

سب سے پہلے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

یکرہ ان یبنی علیہ البناء من بیت أوقبة لحديث

جابر رضي الله عنه، «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ

يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُنَى عَلَيْهَا»

[درمختار، ج: ۲، ص: ۲۳۷]

”قبر پر کسی قسم کی عمارت کمرہ یا قبہ وغیرہ بنانا مکروہ ہے کیونکہ

حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے اور

اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔“

”کرہ ابوحنیفہ البناء علی القبر“ [البدائع والصنائع،

ج: ۱، ص: ۳۲۰۔ نیز دیکھیے کبیری شرح منیۃ

المصلی، ص: ۵۵۱]

”ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے قبر پر عمارت بنانے کو مکروہ جانا ہے۔“

علامہ علاء الدین سمرقندی حنفی فرماتے ہیں:

والسنة فی القبر أن یسنم ولا یربع ولا یطین

ولا یجصص وکرہ ابوحنیفہ البناء علی القبر وان

یعلم۔ [تحفة الفقهاء، ج: ۱، ص: ۴۰۰]

”قبر کے بارے میں سنت یہ ہے کہ اسے کوہان نما بنایا جائے۔

چورس، لپائی شدہ اور پختہ نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک

قبر پر عمارت بنانا اور نشان لگانا مکروہ ہے۔“

علامہ عینی فرماتے ہیں: لا یجصص ولا یبنی علیہ

[رمز الحقائق، ص: ۶۷]

”قبر کو پختہ اور اس پر کوئی عمارت نہ بنائی جائے۔“

سراج الدین حنفی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں: یکرہ البناء علی

القبور ”قبروں پر عمارتیں بنانا مکروہ ہے۔“

[فتاویٰ سراچیہ، ص: ۲۴]

قبروں پر مساجد کی تعمیر

انبیاء اور اولیاء کی قبور پر مسجد کی تعمیر کرنے والے اللہ اور اس

کے رسول ﷺ کے ہاں بدترین لوگ ہیں۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ

فرماتی ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی مکرم ﷺ سے ایک گرجے کا ذکر کیا

جس کو ماریہ کہا جاتا تھا وہ انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا۔ انہوں نے

اس میں رکھی ہوئی تصاویر کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا تو

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أُولَئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَوْ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَ أُولَئِكَ شَرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ»

”یہ ایک ایسی قوم تھی کہ جب ان میں سے کوئی نیک آدمی مر جاتا تو یہ لوگ اس کی قبر پر مسجد (عبادت گاہ) قائم کر دیتے پھر اس میں اس شخص کی تصاویر لٹکا دیتے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگ ہیں۔“ [صحیح بخاری کتاب الصلاة باب الصلاة في البيعة صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوة باب النهی عن بناء المساجد على القبور]

ایک حدیث کے آخر میں ”یوم القيامة“ کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی: ((فاولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة))

[صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب هل تبنش قبور مشرکی الجاهلية.....، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، و مواضع الصلاة، باب النهی عن بناء المسجد على القبور واتخاذ الصور فيها والنهی عن اتخاذ القبور مساجد]

اس موضوع پر اور بھی بہت سی احادیث مروی ہیں۔ چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

.....عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ مِنْ شَرِّارِ النَّاسِ مَنْ تَدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءُ وَمَنْ يَتَّخِذُ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ» [مسند احمد: ۱/ ۴۳۵]

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: بے شک لوگوں میں سے بدترین وہ لوگ ہوں گے جنہیں قیامت آ لے گی اور وہ زندہ ہوں گے اور ایسے لوگ بھی جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں۔“

.....ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ: «لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» قَالَتْ عَائِشَةُ لَوْلَا ذَلِكَ لَأَبْرَزَ قَبْرُهُ حُشْيً أَنْ يَتَّخَذَ مَسْجِدًا - [صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته]

”نبی ﷺ نے اپنے مرض الموت میں ارشاد فرمایا: اللہ یہودیوں پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر نمایاں کر دی جاتی، اس بات کا خدشہ لاحق ہوا کہ آپ کی قبر سجدہ گاہ بنالی جائے گی۔“ دوسری حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ: «لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» قَالَتْ لَوْلَا ذَلِكَ لَأَبْرَزَ قَبْرُهُ غَيْرَ أَنِّي أَخْشَى أَنْ يَتَّخَذَ مَسْجِدًا - [ایضاً کتاب الجنائز، باب ما یکره من اتخاذ المسجد على القبور صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاة باب النهی عن بناء

المساجد على القبور، مسند احمد، ج: ۶، ص: ۲۵۵]

.....ایک حدیث راوی مذکور اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مرض الموت کی تکلیف میں مبتلا تھے، آپ چادر کا پلو کبھی اپنے چہرے مبارک پر ڈالتے کبھی ہٹاتے، شدت مرض کی وجہ سے آپ پر پانی کی سات مشکیں ڈالی گئیں۔ اس قدر تکلیف کے عالم میں آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کروایا، طبیعت کچھ سنبھلی تو آپ لوگوں کی طرف نکلے، نماز پڑھائی، خطبہ دیا اور فرمایا:

«لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» يَحْذَرُ مَا صَنَعُوا -

”یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ آپ ﷺ (اپنی امت کو) اُس کام سے ڈراتے تھے جو انہوں (یہود و نصاریٰ) نے کیا۔“ [صحیح

بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته وقول

الله تعالى: ﴿انك ميت وانهم ميتون﴾ صحیح مسلم، کتاب

الجنائز، باب النهی عن بناء المسجد على القبور والنهی عن

اتخاذ القبور مساجد، نیز دیکھیے سنن نسائی، ص: ۸۱، مسند

احمد، باب النهی عن اتخاذ قبور الانبياء والصالحين مساجد

لتبرک والتعظيم، ج: ۱، ص: ۲۱۸ - ج: ۶، ص: ۳۴ مسند

دارمی

..... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا:

«قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

”اللہ یہودیوں کو ہلاک کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی

قبروں کو مسجدیں بنا ڈالا۔“ [صحیح مسلم باب مذکور]

بعض احادیث میں ”اليهود“ کے ساتھ ”النصارى“ کا

لفظ بھی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ

أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» [مسند احمد ج: ۴، ص: ۱۵۱ -

باب النهی عن اتخاذ المساجد على القبور، ج: ۲،

ص: ۵۱۸]

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت میں ”اليهود و

النصارى“ کی جگہ ”قومًا“ کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوا جو قوم

بھی اس فعل بد کا ارتکاب کرے گی اس وعید کی مستحق ہوگی۔ بلکہ ایک

حدیث میں تو اس امت کا بھی ذکر ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«قَاتَلَ اللَّهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَرِّمُ

ذَلِكَ عَلَى أُمَّتِهِ»

”اللہ اس قوم کو عارت کرے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو

مساجد بنا لیا۔ آپ ﷺ اس کام کو اپنی امت پر حرام قرار

دیتے تھے۔“ [مسند احمد، ج: ۲، ص: ۲۸۴ نیز دیکھیے

مسند احمد، ج: ۶، ص: ۱۴۶]

..... ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَ

النَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» [صحیح

مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن بناء المسجد على

القبور]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت

کرے (اپنی رحمت سے دور کرے) انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں

کو سجدہ گاہ بنا لیا۔“

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

”یہود و نصاریٰ پر لعنت اس لئے ہوئی کہ وہ انبیاء علیہم السلام

کی قبروں کو سجدہ کیا کرتے تھے جو شرک جلی ہے۔ وہاں نمازیں

پڑھتے، ان کی تعظیم میں مبالغہ کرتے اور یہ شرک خفی ہے،

کیوں کہ اس میں مخلوق کے تعظیم کا شائبہ پایا جاتا ہے لہذا آپ

نے امت کو اس سے منع کر دیا۔“ [مرقاۃ، ۲/ ۲۰۲]

..... سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں:

قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ:

«إِنِّي لَأُذَنُّ لِلنَّاسِ عَلَى» فَأَذِنْتُ قَالَ: «لَعَنَ اللَّهُ قَوْمًا

اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدًا» ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَلَمَّا

أَفَاقَ قَالَ: «يَا عَلِيُّ! إِنِّي لَأُذَنُّ لِلنَّاسِ عَلَى» فَأَذِنْتُ

لِلنَّاسِ فَقَالَ: «لَعَنَ اللَّهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا» ثُمَّ أَغْمَى عَلَيْهِ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ: «يَا عَلِيُّ! إِئْذَنْ لِلنَّاسِ عَلَيَّ» فَأَذِنْتُ لَهُمْ فَقَالَ: «لَعَنَ اللَّهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا»

[مجمع الزوائد، ج: ۲، ص: ۲۷]

”مجھے نبی ﷺ نے اپنی آخری مرض میں ارشاد فرمایا کہ اے علی! لوگوں کو میرے پاس بلاؤ۔ چنانچہ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، جب لوگ آگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس قوم نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس کے بعد آپ پر غشی طاری ہوگئی اور جب آپ کو ہوش آیا تو فرمایا: اے علی! لوگوں کو بلاؤ۔ چنانچہ میں نے بلایا، جب لوگ حاضر ہو گئے تو اس وقت آپ نے فرمایا: اس قوم پر اللہ کی لعنت ہو جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنایا۔ پھر آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ ہوش میں آنے پر آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی! لوگوں کو بلاؤ تو میں نے لوگوں کو (تیسری بار) بلایا، جب لوگ آگئے تو (اس نازک حالت میں) آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ لعنت کرے ایسی قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا۔“

✽..... ایک اور صحابی جندب بن جندبؓ سے روایت ہے کہتے ہیں:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ بِخَمْسٍ وَهُوَ يَقُولُ: «إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللَّهِ أَنْ يَكُونَ لِي مِنْكُمْ خَلِيلٌ فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مَتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنْئِي أَنَهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ»

”میں نے نبی ﷺ کو وفات پانے سے پانچ دن پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا: میں اس بات سے اللہ کی طرف براءت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے، جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ اگر میں نے اپنی امت سے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا۔ خبردار! تم سے پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں اور نیک بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا۔ خبردار (کان کھول کر سن لو!) تم قبروں کو عبادت گاہ نہ بنانا۔ میں تمہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔“ [صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب النهی عن بناء المسجد على القبور..... رقم: ۵۳۲، صحیح لابی عوانہ، ج: ۲، ص: ۴۰۱]

معاملے کی نزاکت کا اندازہ فرمائیں کہ ایک کام سے رسول ﷺ نے سختی سے روکا، اور پھر فرمایا میں تمہیں ایسے کام سے منع کرتا ہوں۔

قرآن کہتا ہے: ﴿وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

”اور جس کام سے وہ (ﷺ) تمہیں روک دیں اس سے فوراً باز آجایا کرو۔“ [سورة الحشر: ۷]

✽..... عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَتَنَا يُعْبَدُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى قَوْمٍ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» [موطأ امام مالك، کتاب قصر الصلاة فی السفر، باب جامع الصلاة]

”رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بننے دینا کہ اس کی پوجا ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو اس قوم پر جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ

بنالیا۔“ (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر قبر کو عبادت گاہ بنالیا جائے تو وہ بھی بت کے درجے میں ہوگی۔)

.....عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ زَاوِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ»

”رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر، قبروں پر مساجد بنانے والوں پر اور قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔“ [ابو داؤد، نسائی، ترمذی]

درباروں کی عمومی کیفیت دیکھ کر آدمی احادیث کا مفہوم اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ واقعتاً لوگ قبروں پر سجدہ ریز نظر آتے ہیں، صاحب قبر سے دعائیں کر رہے ہوتے ہیں اور نذر و نیاز پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ بظاہر تو یہی کہا جاتا ہے کہ ہم فاتحہ خوانی کے لیے آئے ہیں لیکن عملی طور پر دربار غیر اللہ کی عبادت کے اڈے بن چکے ہیں۔

اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ قبریں پکی ہیں اور ان پر قبے تعمیر کئے گئے ہیں۔ اگر یہ کچی اور عام قبروں کے درمیان ہوتیں تو لوگ ان کی وجہ سے شرک میں مبتلا نہ ہوتے۔ اس وجہ سے قبریں پکی کرنے، ان پر مزارات اور مساجد تعمیر کرنے سے روک دیا گیا، ان احادیث سے روگردانی کی وجہ سے امت مسلمہ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہو چکی ہے۔ [جاری ہے]

ضرورت خطیب وامام

جامع مسجد محمدیہ اہل حدیث گلی نمبر ۲، والٹن پیر کالونی، لاہور کے لیے ایک خطیب وامام مسجد کی ضرورت ہے۔ حافظ وقاری کو ترجیح دی جائے گی۔
[محمد ابراہیم، فون: 6616361]

بسم الله الرحمن الرحيم

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ

بانی بحر العلوم

شیخ القرآن والحديث علامہ محمد یوسف (کلکتہ والے)

ادارۃ اسلامیہ

بحر العلوم سعودیہ (رجسٹرڈ)

علوم شرقیہ کے بحر عمیق

اور

علم وحکمت

قرآن وحدیث

میں داخلہ جاری ہے

بحر العلوم سعودیہ، علامہ یوسف روڈ، عامل سٹریٹ، کراچی نمبر 1

فون نمبر: 021-2620059 / 021-4981264

شعیب بن یوسف

**الداعی
الی الخیر**

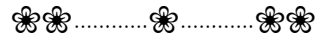
المسلم ڈائری حاصل کریں

قرآن و سنت کی تعلیم سے مزین ”المسلم ڈائری“ ۲۰۰۷ء شائع کردی گئی ہے۔ مرتب قاری شاہ محمد ربانی نے اس میں نادر قلمی واقعات درج کیے ہیں۔

اس کی قیمت -/۵۷ روپے ہے طلباء کے لیے صرف -/۸۰ روپے میں دستیاب ہے۔ مختصر حضرات زیادہ تعداد میں خرید کر طلباء میں تقسیم کریں۔

[ابوعبدالقہار عبدالوہاب ربانی، مکتبہ دارالسلام،

کلیال وادی سون، ضلع خوشاب]



اعلیٰ معیار کی ضمانت

سٹیزن پنکھے، موٹریں اور
واشنگ مشینیں

تیار کردہ: سٹیزن الیکٹریکل انڈسٹریز رجسٹرڈ

جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ

فون: 275261, 51538

دعوتِ توحید کے پروگرام

میاں محمد جمیل..... (کنویر دعوتِ توحید)

توحید بندے کا اللہ تعالیٰ سے عہد، انبیائے کرام کا مشن دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس کی اشاعت ہمارا فرض ہے آئیں توحید سے نا آشنا بھائیوں تک توحید پہنچانے کے لیے ہم قدم ہو جائیں۔

دسمبر میں منعقد ہونے والے بقیہ پروگرام

- ①..... مسجد مبارک بیگم کوٹ
- ②..... مسجد ابوبکر بیگم کوٹ
- ③..... مسجد اہل حدیث سمن آباد
- ④..... مسجد اہل حدیث تاج پورہ
- ⑤..... مسجد اہل حدیث شاکوٹ
- ⑥..... مسجد اہل حدیث عارف والا
- ⑦..... مسجد اہل حدیث فیروز ٹوٹواں
- ⑧..... مسجد اہل حدیث مصطفیٰ ٹاؤن لاہور
- ⑨..... مسجد اہل حدیث جمبر کلاں قصور
- ⑩..... مرکزی مسجد اہل حدیث حویلی لکھا
- ⑪..... مسجد اہل حدیث ماچھیکے شیخوپورہ
- ⑫..... مرکزی مسجد اہل حدیث بھائی پھیرو
- ⑬..... مسجد اہل حدیث غازی مینارہ شیخوپورہ
- ⑭..... مسجد اہل حدیث روشن والا سمندری روڈ
- ⑮..... مسجد اہل حدیث ٹنگمری بازار فیصل آباد
- ⑯..... مسجد اہل حدیث مچھر والی نزد ماناں والا
- ⑰..... مسجد اہل حدیث نزد ڈی سی آفس پاکستان

تعاون کی راہیں

توحید کے سنیکرز لگانا، لٹریچر چھپوانا، تقسیم کرنا اور وال چانگ دعوتِ توحید کے پروگراموں میں حصہ لینے والے علماء اور جماعتیں اپنے نام اور فون سے آگاہ فرمائیں۔ ان پروگراموں کا کسی پر مالی بوجھ نہیں ہوگا۔

حمدیہ رباعیات

(۱)

شر نے ہمیں گرچہ ہر طرف سے گھیرا
اَللّٰهُمَّ لَا نُرِيدُ اِلَّا الْخَيْرَ!
نا امیدی میں کرم امید کی ہے
کیا: قَدْ اُوْتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسٰی!

(۲)

ظاہر ہے کہ نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ
از بسکہ ہیں فہم غیب سے ہم قاصر
واقف ہے وہی صرف پس پردہ سے
جو ظاہر و باطن ہے جو حاضر ناظر!

(۳)

اک راز فرو بستہ ہے یہ قولِ سدید
نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ
اس دوری و قربت کا معمہ نہ کھلا
اے سرّ حلول و اتحاد و توحید!

(۴)

ہر شے کے خزانے ہیں خداوند کے پاس
جو خالق کائنات ہے ربُّ الناس
کر بعدِ ثنا صبر و عزیمت کی دعا
از بسکہ مِنَ الْمَكَارِمِ صَدَقُ الْبَاس!

(۵)

ہے اس کے جلال میں بھی اک شانِ جمال
کرتی ہے جو اجتہاد کا استقبال
یہ دین متیں ہے اَوْغِلَ فِيهِ بِرَفْقٍ
اپنے کو نہ اوروں کو کشاکش میں نہ ڈال!

(۶)

یا رب تو بصیر و ذی بصر مجھ کو بنا
مُجْمَلٌ اربابِ نظر مجھ کو بنا
درکار ہیں رقت و صلابت دونوں
خود دار و خلیق و خود نگر مجھ کو بنا!